کہانی اور ڈراموں کا مجموعہ

مصنفہ
ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور

گلدستہ

(کہانیوں اور ڈراموں کا مجموعہ)

مصنفہ

ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔110025

سنہ اشاعت : 2015
تعداد : 1100
قیمت : -/28 روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1852

GULDASTA
(Collection of Short Stories and Dramas)
By: Dr. Sheikh Tahira Abdul Shakoor

ISBN :978-93-5160-082-4

ناشر: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک۔8، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066 فون نمبر: 26109746
فیکس: 26108159 ای۔میل: ncpulsaleunit@gmail.com
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: جے۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔110006
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آ جاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آ جاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضیٰ کریم)
ڈائرکٹر

فہرست

حسنِ آغاز

پیارے بچّو! کہانی چھوٹی ہو یا بڑی سب کو اچھی لگتی ہے۔ مگر کہانی وہ پڑھنی چاہیے جو ہمارے جیسے چلتے پھرتے جیتے جاگتے انسانوں کی ہو۔ ہاں خوب سمجھے! تصوراتی کہانیاں بہت ہوئیں۔ راجہ مہاراجہ کے قصے اور جن و پریوں کی کہانیاں بھی بہت پڑھ لیں اور تو اور الیکٹرانک میڈیا کی دین متحرک تصویریں یعنی کارٹون فلمیں بھی بہت دیکھ لیں۔ ہمیں وہ کہانیاں زیادہ سے زیادہ پڑھنی چاہیے جہاں ہمارے جیسے کردار نظر آتے ہیں۔ جن کے ساتھ دنیاداری بھی ہے، مسائل بھی ہے، خوشی اور غم بھی زندگی سے جڑے ہیں۔ اِن سب سے مقابلہ کرنے کی جدوجہد اُن کی کوشش ہمیں جوش سے بھر دیتی ہے اُن کے مسائل حل کرنے کے لیے کوئی پری یا جن نہیں آتے نہ کہیں سے اچانک کوئی خزانہ اُن کے ہاتھ آتا ہے وہ خود اپنی ہمت اور طاقت سے حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ کردار ہمارے سامنے ایک واضح مقصد کے ساتھ آتے ہیں۔ جو ہماری زندگی پر اثر انداز ہو کر ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی اور زندگی گزارنے کی نت نئی راہیں بتاتے ہیں ذرائع ابلاغ (ماس میڈیا) کی نئی نئی ایجادات نے جہاں دنیا کو ایک گلوبل ولیج بنایا اور اُس کی جغرافیائی حدوں کو توڑ کر رکھ دیا وہیں زندگی کو بہت مصروف بھی کر دیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا نے ہمیں کتابوں سے دور کر دیا ہے۔ اب ایسے خاندان بھی بہت کم نظر آتے ہیں۔ جہاں دادی اور نانی

سے قصّے سنے جاتے ہو۔اس لیے صرف تفریحاً نہیں بلکہ اپنی ذہنی ورزش کو جلا بخشنے کے لیے اکثر ایسی کتابیں پڑھنی چاہیے جو تفریح کے ساتھ ساتھ ایک ناصحانہ اثر ذہن پر چھوڑ دے۔ یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم کہانیوں اور ڈراموں کے ذریعے اس انداز میں نصیحت کریں کہ وہ ذہن پر نقش ہوجائے ۔صرف وقت گزاری نہ کرتے ہوئے اِن کتابوں سے نصیحت آموز باتوں پرعمل کر کے دوسروں کو بھی عمل کی تلقین کریں۔

کہانیوں کی طرح ڈرامے بھی ہماری زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ڈرامے اپنے کرداروں اور مکالموں کی وجہ سے ذہن پر دیرپا نقش چھوڑتے ہیں۔انہی خوبیوں کے پیش نظر دورِ حاضر کے مسائل کو ڈراموں کے ذریعے اجاگر کر کے طلبا کی تربیت میں ایک صحت مند قدم اُٹھایا جاسکتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جہاں کہانیوں میں نئے نئے موضوعات نے جگہ بنائی اسی طرح ڈراموں نے بھی نئے زمانے کے ساتھ نیا چلن اپنایا۔اب تو ہر قسم کے موضوع پر ڈرامے لکھے جاتے ہیں۔ میرے ڈرامے لکھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسکول وکالج کے طلبا کی ذہن سازی کے لیے مزاحیہ طنز انداز میں سماج کی بُرائیوں اور اُن کے تباہ کن نتائج کو ظاہر کیا جائے تاکہ وہ اُن سے باخبر ہوسکیں۔بڑھتے بچے جلد ہی برائیوں کی طرف راغب ہوجاتے ہیں ۔سماجی ،معاشی اور سیاسی مسائل سے متاثر ہوکر برائیوں کی دلدل میں اتر جاتے ہیں ۔ یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم ان کہانیوں اورڈراموں کے ذریعے اس انداز میں نصیحت کریں کہ وہ ذہن پر نقش ہوجائے۔

پیارے بچّو ں یہ آپ کا بھی فرض ہے کہ معاشرے کا ایک اچھا شہری ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے معاشرے کو اخلاقی طور پر پامال ہونے سے محفوظ رکھیں۔اچھی کتابیں پڑھیں اور پڑھائیں اوراُن نصیحتوں پر عمل کریں،جس سے آپ کی زندگی خوشگوار اور کامیاب بن جائے۔

ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور

ہاتھی گھڑی

پیارے بچّوں آج اگر آپ کو وقت دیکھنے کی ضرورت ہوئی تو آپ اپنے ہاتھ پر باندھی ہوئی گھڑی دیکھ لیں گے مگر کیا آپ کو پتہ ہے جب صدیوں پہلے لوگوں کو وقت جاننا ہوتا تو وہ کیا کرتے؟ اس کے کئی طریقے تھے عام وقت کا پتہ تو وہ لوگ دن رات دیکھ کر، سورج کی حالت دیکھ کر پتہ لگاتے تھے مگر اس دور میں بھی ابتدا میں بہت سی خوب صورت گھڑیوں کی ایجاد ہوئیں۔ انہی میں سے ایک گھڑی ہے ہاتھی گھڑی، واہ! نام ہی کس قدر زبردست ہے

پہلے زمانے میں جب لوگوں کو وقت جاننے کی اشد ضرورت پڑی تو سائنسدانوں اور انجینئروں نے بہت سی خوبصورت گھڑیاں بنائیں انہی سائنس دانوں میں ایک نام عبدالزمان الجزاری (1300) کا بھی ہے جنھوں نے بہت ہی محنت و ہوشیاری سے شاہکار گھڑیاں بنائی تھیں۔

الجزاری بہت بڑے انجینئر تھے۔ انھوں نے سائنٹفک طریقے سے عجیب وغریب گھڑیاں بنائیں تھیں۔ ان میں ایک گھڑی تھی ہاتھی گھڑی، نام ہی بڑا عجیب ہے نا! یہ عجیب گھڑی گھنٹے کے ساتھ ساتھ منٹ سیکنڈ بھی بتاتی تھی۔ ایک بڑے ہاتھی پر یہ گھڑی تھی۔ بچّوں ہاتھی اصل والا نہیں

ہاں نقلی ہاتھی بنایا گیا تھا۔جیسے ہاتھی کے اوپر راجہ مہاراجہ کے بیٹھنے کے لیے شاہی تخت ہوتا ہے نا اسی طرح گھڑی کے لیے بھی شاہی تخت بنایا گیا تھا اس شاہی تخت پر ایک آدمی بیٹھا گھوم رہا ہے۔اس کے گنبد پر ایک چڑیا تھی جو گول گھوم کر وقت کا پتہ دیتی تھی اس کے پاس ہی ایک لائن سے گیند رکھی تھی جو ایک ایک گھنٹہ کا وقت ہونے پر وہاں سے نکل کر سسٹم کے مطابق بہت ہی خوبصورت طریقہ سے اوپر سے ہوتی ہوئی نیچے لمبے گردن والے جانور کے منہ میں آ کر گرتی ہے پھر وہ جانور اپنے منہ میں لے کر اسے نیچے رکھے گئے گلدان میں داخل کرتا ہے پھر وہ گلدان سے ہوتی ہوئی ہاتھی کے پیٹ سے ہو کر واپس پھر سے اوپر چلی جاتی ہے۔گلدان کے سامنے کھڑا آدمی اپنے ہاتھوں کو ہلا کر وقت کا پتہ دیتا ہے تو شاہی تخت پر بیٹھا آدمی جو چکی پینے کے اسٹائل میں بیٹھا ہے وہ گول گول گھوم کر منٹ کا وقت بتاتا رہتا ہے۔انجینئرنگ کی دنیا میں یہ ایک بہت ہی خوبصورت و عجیب شاہکار ہے جو ایک مسلم انجینیر کا کمال ہے جسے میکینیکل طریقے سے پرزوں کو جوڑ کر بہت ہی خوبصورت انداز میں بنایا گیا ہے۔ہاتھی کے پیٹ میں منظّم طریقے سے میکینیکل انداز میں گیند کا مقررہ وقت پر نیچے سے اوپر جانے کا انتظام کیا گیا ہے جو دیکھنے والوں کی عقل کو دنگ کر دیتا ہے اور اس وقت کے منظّم طریقے پر بنائی گئی گھڑی کو دیکھ کر محا ور تا نہیں بلکہ حقیقتاً دانتوں میں انگلی دبا لیتا ہے آپ بھی دیکھ کر دنگ ہو گئے نا؟

شرارت یا دھوکہ

احتشام ایک ذہین و ہوشیار طالب علم تھا۔مگر اُس کی نت نئی شرارتوں سے سب پریشان تھے۔مجاز اُس کا ہم جماعت و پڑوسی تھا۔دونوں اچھے دوست تھے۔مجاز ہمیشہ اُسے شرارت کرنے پر ٹوک دیا کرتا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ سب کی نصیحتوں کو مذاق میں اُڑا دیتا۔

ہر وقت نت نئی شرارت کرنا اُس کا محبوب مشغلہ تھا۔اُس کی شرارت بھی کچھ اس قسم کی ہوتی جس سے اُسے یا دوسروں کو نقصان پہنچے۔والدین اور استاد سب اسے سمجھاتے تھے۔مگر وہ اپنی عادت سے باز نہ آتا۔احتشام کا روز کا معمول تھا اسکول سے گھر آکر وہ جلدی جلدی اپنا ہوم ورک کر دیتا۔پڑھائی کے معاملہ میں ہوشیار تھا وقت پر سب کام کر دیتا۔اسی لیے اس کے والدین اس کی تعلیم سے مطمئن تھے۔اسکول کا کام ختم کرکے وہ اپنے پسندیدہ کام پر لگ جاتا یعنی کبھی پڑوس کی حسینہ خالہ کی بکری کو کہیں اور لے جا کر باندھ دیا اور وہ پریشان سارا محلّہ سر پر اُٹھائے بکری تلاشتے پھر رہی ہیں، کبھی ظفر چاچا کے مرغی کے انڈے توڑ دیے، تو کبھی محلّہ کے بچّوں کی ٹولی بنائے کوئی نیا کھیل لے کر اُدھم مچائے، تو کبھی ارشاد ماموں کے عالی شان گھر کی کانچ کی خوبصورت کھڑکیاں کرکٹ بال کا نشانہ بن جاتیں۔چین سے بیٹھنا تو اُس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

آج مجاز کے گھر کے پاس نئی سائیکل دیکھ کر اس کی رگِ شرارت پھڑک اُٹھی کہ دیکھیں اب مجاز نئی سائیکل پر اسکول کیسے جائے گا۔ وہ اپنے گھر گیا اور بلیڈ لے آیا۔ آس پاس دیکھ کر مطمئن ہونے کے بعد جلدی سے سائیکل کے دونوں ٹائروں کو بلیڈ سے ناکارہ بنادیا۔ اپنے من پسند کام سے فارغ ہوکر گھر لوٹ آیا۔ اپنے دل میں اس کی حالت کا اندازہ لگا کر وہ خوش ہورہا تھا۔ شرارتیں کر کے محظوظ ہونا اُس کا محبوب مشغلہ تھا۔ گھڑی پر نظر پڑتے ہی احتشام کو وقت کا احساس ہوا اور وہ اسکول جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس کی امّی بار بار اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائے جارہی تھی۔ اس کی جلد بازی دیکھ کر امّی نے اُسے ٹوکا، ''کیوں بیٹا! بڑی جلد بازی دکھارے ہو آج؟'' ''ہاں امّی آج جلدی جانا ہے''۔ وہ بھی مسکرارہا تھا کہ آج پہلی بار اپنی نئی سائیکل پر جانے کی تیاری میں مصروف مجاز کی کیا حالت ہوگی جب وہ اپنی سائیکل کے ناکارہ ٹائروں کو دیکھے گا۔ بڑا مزا آئے گا۔ بیگ لے کر وہ اپنے گھر سے نکلا۔ مجاز کا گھر اُن کے گھر کے پاس ہی تھا۔ اس نے دیکھا مجاز بھی گھر سے نکل رہا ہے۔ امّی نے آواز دی مگر وہ اَن سنی کر کے مجاز کی طرف بڑھا۔

مجاز سائیکل کی خوبصورت سیٹ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ احتشام کو دیکھ کر اس نے کہا، ''احتشام میں آج اپنی نئی سائیکل پر اسکول جاؤں گا، تم بھی چلوگے میرے ساتھ سائیکل پر'' احتشام نے مسکرا کر کہا ''ہاں چلو میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا، صبح جب تمھارے ابّا جان یہاں سائیکل لگارہے تھے تب ہی میں نے پوچھا، تم تو بہت خوش ہوگے۔ مجاز نے مسکراتے ہوئے کہا ہاں میں بہت خوش ہوں۔

مجاز کے ابّا ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ لے کر آئے اور کہا، ''بیٹا منہ میٹھا کرو پھر سائیکل چلانا۔ سائیکل کے ساتھ میں مٹھائی لانا بھول گیا تھا اس لیے دوبارہ چلا گیا۔ تمھارے دوست کو بھی دوں۔'' کہتے ہوئے مجاز کے ابّا کی نظر نیچے ٹائروں پر گئی اُن کی حالت دیکھ کر وہ حیرت سے بولے ارے یہ کیا ہوا، نئی سائیکل ہے۔'' ابّا کے کہنے پر مجاز نے بھی دیکھا اور ٹائروں کی حالت دیکھ کر اُس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ اُس نے احتشام کی طرف دیکھا اُس کے آنکھوں میں چھپی شرارت دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ صبح سائیکل دیکھ کر اسی نے یہ حرکت کی ہے۔ مجاز نے ابّا سے کہا ''ابّا میں بنائے دیتا ہوں، شاید یہاں دھوپ میں رکھنے سے یہ حالت ہوئی۔'' ابّا نے کہا ''نہیں بیٹا یہ ضرور کسی کی گری ہوئی حرکت ہے۔'' احتشام کو بُرا محسوس ہوا اس نے سوچا اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ مگر اس نے مجاز سے کچھ نہ کہا اور وہ اسکول کی طرف چلا گیا۔

یوں ہی دن آگے بڑھتے رہے کل کے بچے آج کالج میں پڑھ رہے تھے۔احتشام کی اب بھی یہی حالت تھی۔کسی کا پین چھپا دیا کسی کے نوٹ غائب کردیے۔کسی کی بائیک کہیں پر بھی رکھ کر اسے پریشان کردینا۔کسی بھی واقعہ کو اُس نے سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔اب وہ دونوں بارھویں جماعت میں تھے۔امتحان کی فکر سر پر سوار تھی۔اسی لیے اُن کا آپس میں ملنا بھی کم تھا۔امتحان کے بعد ایک دن احتشام مجاز سے ملنے آیا۔مجاز نے کہا کہ اُس نے چھٹیوں میں اپنی پھوپھی کے گھر جانے کا پلان بنایا ہے۔احتشام نے کہا"میں تم سے یہی کہنے آیا تھا کہ میں ایک فون کی دکان میں پارٹ ٹائم کام کررہا ہوں،رزلٹ آنے تک دو مہینے گھر بیٹھنے سے اچھا ہے کہ کچھ کرلیں ،تم بھی چلو۔" مجاز نے کہا"اچھا ہے تم جاؤ میں نہیں آسکوں گا کیونکہ مجھے امّی کی وجہ سے جانا ہے ابّو کو ابھی چھٹی نہیں مل رہی ہے۔"احتشام نے کہا اگر تمھیں نیا سم لینا ہو تو میرے سے ہی لو،میں نے ایک دو دستوں کو بھی دیا۔مجاز نے کہا ابھی ابّا نہیں مانیں گے پھر کبھی لوں گا۔احتشام نے کہا تم میرا اسم لے لو،میرے پاس آفس کا نمبر ہے۔گاؤں جارہے ہو تو استعمال کرو۔بل کا میسج آتا ہے وہ برابر بھر دینا۔" نہ جانے کیا سوچ کر مجاز نے اُس سے سم کارڈ لے کر اپنے موبائیل میں ڈال دیا۔

مجاز گاؤں چلا گیا۔احتشام اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔اس کی امّی نے کام کرنے سے منع بھی کیا کہ تھوڑے دن آرام کرو،اور کسی بھی جانے انجانے دوستوں کو سم مت دو اور نہ کسی دوست کو اپنے نام پر کارڈ لے کر دو۔" مگر اُس کی ہمیشہ کی لاپرواہی کچھ نہیں ہوتا،کیا ہوا میرا دوست ہی ہے، لوٹا دے گا وغیرہ وغیرہ ظاہر ہے اُس نے کبھی نہ کسی دوسرے کے نقصان کی پرواہ کی تھی اور نہ ہی اسے اپنے نقصان کا اندیشہ تھا۔مجاز سے اکثر رات میں اُس کی بات ہوتی رہتی تھی۔وہ وہاں بہت خوش تھا۔اسے اکثر گاؤں کے قصے سناتا،کہ گاؤں کے لوگ کس قدر بھولے ہیں،تم ہوتے تو اور بھی مزا آتا وغیرہ وغیرہ مجاز کی باتیں سُن کر ہی احتشام کو مزا آرہا تھا کہ گاؤں کے بھولے بھالے لوگ اس کی شرارتوں سے کیسے گھبرائیں گے بڑا مزا آئے گا۔اب کی بار وہ بھی اپنی امّی کے ساتھ خالہ کے گاؤں جائے گا۔کیونکہ اُس کی امّی کئی دنوں سے اُس سے کہہ رہی تھی کہ خالہ کے گھر جانا ہے۔مجاز کی باتوں نے اُس کے اندر بھی گاؤں جانے کی دُھن سوار کردی اور اُس نے امّی کے ساتھ جانے کی حامی بھردی۔

ایک دن احتشام کو آفس سے ایک نوٹس ملا کہ اُس کے سم کا بل ادا نہیں کیا گیا ہے اگر مقررہ وقت پر ادا نہیں کیا گیا تو وہ سم بند ہو جائے گا۔ اسی شام میں گھر آ کر احتشام نے مجاز کو فون کیا اور کہا کہ تم نے فون کا بل کیوں نہیں ادا کیا۔ احتشام کی بات سُن کر مجاز کہنے لگا کہ کیا بتاؤں وقت ہی نہیں ملا۔ یہاں پر قریب میں دکان بھی نہیں تم دے دو میں دو دن بعد آ رہا ہوں، آ کر لوٹا دوں گا۔ احتشام نے کہا کہ میں بھی کل امّی کے ساتھ خالہ کے گھر جا رہا ہوں۔ یہ سُن کر مجاز ہنس کر بولا اچھا میری باتیں سُن کر جناب کو بھی بہت دنوں کے بعد گاؤں جانے کا شوق پیدا ہوا۔ مجاز کی بات پر احتشام کھل کر مسکرایا اور کہا ہاں تم نے باتیں ہی ایسی کی مجھے بھی جانے کا شوق ہوا۔ بہت دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے۔ احتشام نے اُس سے کہا کہ اب میرے پاس بھی بل ادا کرنے کا وقت نہیں، تم دو دن بعد آ کر یاد سے ادا کر دو۔

صبح صبح وہ امّی کے ساتھ تیار ہو کر نکلا۔ آفس سے ایک ہفتہ کی چھٹی لی تھی۔ بہت دنوں کے بعد ٹرین کا سفر درپیش تھا اسے بہت مزا آ رہا تھا۔ جو لوگ پہلی بار ریل سے سفر کر رہے تھے۔ اُن کی گھبراہٹ دیکھنے لائق تھی۔ جلد کسی پر بھروسا نہیں کرتے اپنے سامان کو اپنے سے چمٹائے گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھتے۔ ایک بڑے میاں بھی ایسی ہی حالت میں اپنا بیگ اوپر رکھے بار بار بیگ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ احتشام کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ انھیں دیکھ کر اس کی رگِ شرارت پھڑک اُٹھی۔ اُس نے جان بوجھ کر امّی سے کہا امّی اچھا کیا آپ نے بیگ اپنے پاس رکھا ورنہ اوپر رکھنے پر یہاں ریل میں اکثر لوگ جاتے وقت گڑبڑ میں کسی کا بیگ لے کر چلے جاتے۔'' یہ سُن کر بڑے میاں احتشام سے بولے'' بیٹا یہ میرا بیگ اوپر ہے نکال دو۔ احتشام نے مسکراتی ہوئی آنکھوں سے بڑے میاں کی طرف دیکھا اور بیگ اوپر سے نکال کر دیا۔ جسے بڑے میاں نے اپنے سینے سے لگائے بیٹھ گئے۔ حالانکہ جگہ کم ہونے کی وجہ سے انھیں تکلیف ہو رہی تھی۔ احتشام کی اس حرکت پر امّی اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ دو اسٹیشن بعد ہی احتشام کی خالہ کا گھر تھا۔ احتشام کو سامان اتارتے دیکھ کر بڑے میاں فکر سے بولے'' تم لوگ یہیں اتر رہے ہو؟ اُن کی بات سُن کر امّی نے کہا'' آپ گھبرایئے نہیں آپ کا آخری اسٹیشن ہے تو ریل کافی دیر تک رکتی ہے، آرام سے اتر جائے گا۔'' امّی کی بات سُن کر وہ کچھ نہیں بولے لیکن اُن کا چہرہ دیکھنے لائق تھا۔ جب بھی بڑے میاں کی گھبرائی ہوئی صورت پر احتشام کی نظر پڑتی اُس کے لب مسکرا اُٹھتے۔

خالہ کے گھر احتشام کو بہت مزا آیا۔ اُس نے سب سے ہنسی مذاق کیا۔ کوئی اُس کے مذاق سے خوش ہوا تو کوئی ناراض مگر اسے کیا پرواہ تھی۔ ایک ہفتہ کیسے گزرا پتہ بھی نہ چلا۔ خالو کسی کام سے آرہے تھے تو انھوں نے کار میں گھر تک چھوڑ دیا۔ دوسرے دن جب وہ آفس گیا تو اسے مینیجر نے بتایا کہ اُس کے نام پر دو دو بل پڑے تھے جن کی ادائیگی فوری طور پر نہ کی گئی تو احتشام پر کارروائی ہوگی۔ احتشام نے فوراً مجاز کو فون لگا کر پوچھا کہ تم بل ادا کرنے والے تھے پھر کیوں نہیں ادا کیا۔ مجاز نے کہا میں مذاق کر رہا تھا، سم تمھارے نام ہے تم ادا کردو اور شکر کرو کہ میں نے اس کا غلط استعمال نہیں کیا، میں نے صرف اپنے سائیکل کے پیسے وصول کیے۔ احتشام حیرت سے کھڑا رہ گیا۔ پھر اُس نے دوسرے دوست عبید کو فون کیا اُس کا بھی یہی جواب تھا۔ اُس کی صورت دیکھنے لائق تھی۔ اس نے منیجر کو سب بات بتادی۔ اُس نے کہا یہ تمھاری ایک مہینے کی تنخواہ ہے اس میں سے ادا کردو۔ بہت بُرے دوست ہیں تمھارے جو دھوکہ دیتے ہیں مذاق کے نام پر، مذاق میں کسی کا نقصان نہیں کرتے۔ احتشام اب منیجر سے کیا کہتا اُس کی تو ساری عمر ہی لوگوں سے مذاق کرتے اُن کا نقصان کرتے گزری تھی۔ اُس نے کبھی خیال نہ کیا۔ جب مجاز کی نئی سائیکل خراب کی تھی، عبید کا پیپر پھاڑ دیا تھا، انور چاچا کا پیٹرول ضائع کیا تھا اور ریل میں خوف سے اپنا بیگ سینے سے لگائے بڑے میاں کا چہرہ اُس کے سامنے آرہا تھا۔ آج وہ کس قدر خوش تھا کہ پہلی بار اپنے کمائے روپے امّی کے ہاتھ پر رکھے گا مگر اب خالی لفافہ اُس کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا میں شرارت کرتا تھا یا دھوکہ دیتا تھا؟ آج اپنا نقصان ہوا تو یہ بات سمجھ میں آئی۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

انور اور کاشف گہرے دوست تھے۔ایک دوسرے کے پڑوسی ہونے کے علاوہ ہم جماعت بھی تھے۔جماعت چہارم کے طالب علم تھے۔انور کے والد گاڑیوں کی درستی کرتے تھے گھر کے باہر ہی چھپر ڈال کر گیرج کی شکل دی گئی تھی جہاں بیٹھ کر وہ اپنا کام کرتے تھے۔انور کے اور دو چھوٹے بھائی بہن تھے۔اُس کی امّی کا وقت گھر کے کاموں میں اور بچّوں کی دیکھ بھال میں گزر جاتا۔کاشف کے والد مسجد میں امام تھے۔امامت کرنے کے علاوہ بچّوں کو دینی تعلیم اور قران شریف پڑھنا سکھاتے تھے۔اُس کی امّی گھر میں سلائی کا کام کرتی تھی کاشف سے چھوٹی ایک بہن تھی۔

کاشف اور انور کارپوریشن کے اسکول میں پڑھتے تھے اسکول گھر سے قریب ہی تھا۔اسکول سے کاپیاں، کتابیں، اسکول یونیفارم، جوتے موزے، پینسل ڈرائنگ کے لیے رنگین چاک غرض کے ہر چیز مل جاتی تھی۔یہاں تک کہ اسکول کو ڈبہ لے جانے کی ضرورت بھی نہ تھی اسکول میں ہی اچھا کھانا مل جاتا تھا۔جماعت چہارم ہونے کی وجہ سے اسکالرشپ کے امتحان کی تیاری اسکول میں لی جا رہی تھی جس کے لیے معلّمہ اسکول کا مقررہ وقت ختم ہونے پر خاص مضامین کی کلاس لیا کرتیں۔ کاشف اور انور روزانہ ساتھ ہی اسکول آتے جاتے تھے مگر دونوں سے انور کلاس سے جلدی ہی چلا جاتا، آج بھی کلاس شروع ہوتے ہی وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا معلّمہ سے کچھ کہا اور پھر باہر چلا گیا۔

کاشف کو لگا کہیں اُس کی طبیعت ناساز تو نہیں یہی سوچ کر وہ کلاس ختم ہونے کے بعد گھر آ کر بیگ رکھ کر فوراً انور کے گھر چلا آیا۔ وہاں دیکھا انور اُس کے ابّا کے پاس بیٹھ کر پنکچر نکال رہا تھا۔ کاشف کو دیکھ کر وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا اور اس کے قریب آیا کاشف نے کہا ''انور تم ٹھیک تو ہو؟'' انور نے ہنس کر کہا ''ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں'' کاشف نے تعجب سے کہا ''پھر کلاس چھوڑ کر گھر کیوں جلدی آرہے تھے۔'' انور نے کہا ''کلاس کی وجہ سے گھر آنے میں دیر ہوتی ہے میں کام کرنے کے لیے جلدی آجاتا ہوں'' کاشف نے کہا انور تم کام کیوں کر رہے ہو اس سال ہمارا اسکالرشپ کا امتحان ہے یہ سال ہمارے لیے اہم ہے اگر نمبر اچھے ملے تو اسکالرشپ ملے گی۔'' یہ سُن کر انور نے کہا ''کام کرتا ہوں تو ابّا پیسے دیتے ہیں۔'' کاشف نے کہا ''یہ کیا کہہ رہے ہو، تمھیں پیسے کیوں چاہیے۔'' انور نے کہا ''میں اِن پیسوں سے کبھی برگر تو کبھی پیٹس کھاتا ہوں اور کبھی کبھار اپنی پسندیدہ چیزیں بھی لیتا ہوں'' وہ خوشی خوشی بتانے لگا۔

کاشف نے حیرت سے اُسے دیکھا اور کہا ''انور تم اِس قدر اہم کلاس صرف برگر کھانے کے لیے چھوڑتے ہو اور تمھارے ابّا تمھیں کچھ نہیں کہتے؟'' انور نے اُکتا کر کہا ''افوہ کاشف یہ معمولی بات ہے تم کیوں پریشان ہو رہے ہو، میں روزانہ اسکول تو آتا ہوں نا؟ کلاس میں بھی کبھی کبھی آتا رہوں گا۔'' انور کی بات سُن کر کاشف نے افسوس سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ دِن بھر وہ انور کی باتیں سوچتے ہوئے پریشان رہا۔ اُسے خاموش دیکھ کر اُس کی امّی نے کہا ''کیا بات ہے کاشف تم خاموش کیوں بیٹھے ہو، ابھی تک ہوم ورک بھی نہیں کیا۔'' کاشف نے کہا ''امّی انور اسکالرشپ کی کلاس سے غیر حاضر رہتا ہے جلد گھر آ کر اپنے ابّا کے ساتھ کام کرتا ہے'' کاشف کی بات سُن کر اُس کی امّی نے کہا ''شاید وہ اپنے والد کی مدد کے لیے جلدی آتا ہے اور دونوں مل کر کام کرتے ہوں گے۔'' امّی کی بات سُن کر کاشف نے کہا ''یہی بات تو مجھے پریشان کر رہی ہے، وہ اگر اپنے ابّا کی مدد کرتا تو یہ بہت اچھی بات تھی، مگر وہ تو اس لیے کام کرتا ہے کہ اُس کے ابّا اسے کام کے پیسے دیتے ہیں اور وہ ان پیسوں سے اپنی پسندیدہ چیزیں کھاتا ہے۔'' یہ سُن کر امّی نے کہا ''یہ تو بہت بُری بات ہے کہ وہ اس قدر اہم کلاس اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔'' امّی کی بات سُن کر کاشف کہنے لگا ''امّی میں نے اُس کو سمجھایا بھی، مگر اُس

نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔" امّی نے کہا "اچھا اب تم پریشان مت ہونا اپنا ہوم ورک پورا کرو میں اُس کی امّی سے بات کرتی ہوں۔"

دوپہر میں فرصت ملتے ہی کاشف کی امّی انور کے گھر چلی گئی۔ انور کی والدہ دوپہر کے وقت گھر میں آرام کر رہی تھی۔ انھیں دیکھ کر اُٹھ بیٹھی اور کہا آؤ بہن کیسے آنا ہوا۔ کاشف کی امّی اطمینان سے بیٹھ گئی۔ خیریت دریافت کرنے کے بعد انھوں نے کہا "انور کلاس سے غیر حاضر رہ کر اُس کے ابا کے ساتھ کام کرتا ہے اور بدلہ میں اسے پیسے ملتے ہیں" انور کی امّی نے کہا "ہاں میں نے ہی کہا تھا اُن سے کہ دوسرا لڑکا رکھنے کی بجائے انور کو ہی ساتھ رکھ لو کم پیسے میں کام ہو جائے گا اور وہ جو روز مجھ سے پیسے مانگتا تھا اُس کی نوبت بھی نہ آئے گی اور بچّہ خوش بھی ہو جائے گا۔"

یہ سُن کر کاشف کی امّی نے افسوس سے اُن کی طرف دیکھا اور کہا "مگر بہن وہ اِن پیسوں سے اپنی پسند کی چیزیں کھاتا ہے کل کو یہی عادت پختہ ہوئی تو وہ اپنی دیگر خواہش بھی پوری کرے گا، آپ اسے پڑھائی کی طرف متوجہ کریں یہ سال بڑی اہمیت کا ہے اچھا پڑھے گا تو نمبر بھی اچھے آئیں گے۔"

یہ سُن کر انور کی امّی ہنس کر بولی "بہن ایسی کوئی بات نہیں بچّہ کبھی کبھار اپنی پسند کی کوئی چیز کھالیتا ہے اور اُس کے ابا اسے اس لیے ساتھ رکھ رہے ہیں کہ وہ بھی یہ کام سیکھ لے کل کو اسے یہی کرنا ہے۔"

کاشف کی امّی نے تعجب سے دیکھتے ہوئے کہا "کیوں وہ یہی کام کیوں کرے گا، کل کو پڑھ لکھ کر اور اچھا کام کرے گا جس میں آمدنی بھی ہوگی اور ترقی کے راستے بھی ہوں گے۔" انور کی امّی بے زاری سے بولی "بہن جی آپ بھی کہاں کی باتیں کر رہی ہے اب انور کہیں انجینیر بننے سے تو رہا، باپ کا دھندہ ہے یہی سیکھ لے تو کل کو کام آئے گا" کاشف کی امّی نے افسوس سے اُن کی طرف دیکھا اور اُن کی بے زاری دیکھ کر گھر لوٹ آئی۔ امّی کے گھر آتے ہی کاشف بے قراری سے اُٹھ کر امّی کے قریب آگیا اور پوچھا امّی کیا ہوا، انور کی امّی نے اسے ڈانٹا ہوگا نا؟ آپ سے کیا کہا انھوں نے کل سے وہ کلاس میں بیٹھے گا نا؟

اس کے سوالوں کے جواب میں امّی نے صرف اتنا کہا بیٹے وہ اس بات کو سمجھ نہیں رہے ہیں کہ انور کے لیے پڑھائی کس قدر ضروری ہے، تم انور کو سمجھاؤ، مانے تو ٹھیک ہے ورنہ تم اپنی پڑھائی پر توجہ دو تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' امّی کی بات سُن کر کاشف کو مایوسی ہوئی۔

انور اُس کا بہت اچھا دوست تھا دونوں ساتھ آتے جاتے کھیلتے، پڑھائی میں بھی انور ٹھیک تھا اور زیادہ محنت کرتا تو بہترین رزلٹ آسکتا تھا۔ اس لیے کاشف کو فکر ہورہی تھی مگر انور عمر کے اُس دور میں تھا جہاں وقتی خواہشات اہمیت رکھتی، اپنے خیالات صحیح معلوم ہوتے اُس نے کاشف کے بار بار سمجھانے پر بھی توجہ نہ دی۔

امتحان ہوئے اُس سال کاشف کو اسکالرشپ ملی۔ اُس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا انور نے بھی اُس کو مبارک باد دی۔ کاشف کو اس بات کا دکھ تھا کہ انور پاس تو ہوا مگر اسے اسکالرشپ نہ ملی۔ مگر انور کو اس بات کا کوئی دکھ نہ تھا۔ اس عمر میں کام کر کے پیسا کمانے سے بڑی خوشی ہورہی تھی وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہا تھا۔ اور اُس پر گھر والوں کا اسے سراہنا اُس کے خیالات کو پختہ کررہا تھا۔ وقت آگے بڑھتا رہا۔

ساتویں جماعت کے بعد کاشف نے ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ انور نے پڑھائی چھوڑ دی کاشف نے بہت سمجھایا۔ مگر انور آگے تعلیم جاری رکھنے کے حق میں نہ تھا۔ آخر تھک ہار کر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر کاشف اپنی پڑھائی میں مصروف ہوگیا۔ کاشف نے بہت ہی اچھے نمبروں سے S.S.C پاس کیا اسے اسکالرشپ کے علاوہ اسکول سے بھی انعام سے نوازا گیا۔ انور نے بھی اسے مبارک باد دی۔

انور کے ابّا کا کام اب بڑھ گیا تھا۔ اور وہ بہت ہی خوش تھے۔ انور کو بھی اپنا فیصلہ صحیح لگا کہ اُس نے بچپن سے کام سیکھ کر اپنے کام میں مہارت حاصل کرلی اور اب اُس کے پاس پیسا بھی بہت ہوتا اب پہلے کی طرح وہ اپنے ابّا کی مرضی سے روپے نہ لیتا بلکہ اپنے ہاتھ سے جس قدر چاہتا روپے لے لیتا تھا۔ ابّا بھی خوش تھے کہ بیٹے کی وجہ سے اب انھیں آرام مل رہا تھا۔ اپنے سب فیصلے اب وہ خود کرتا تھا۔

کاشف نے بارھویں جماعت میں میرٹ میں آنے پر آئی ٹی کالج میں ایڈمیشن لیا وہ کمپیوٹر میں B.E کر رہا تھا۔ اسکالرشپ کی وجہ سے اس کی پڑھائی کا بہت سا خرچہ نکل جاتا اُس کے والدین بھی محنتی تھے اُس کی پڑھائی میں دلچسپی رکھتے تھے۔

انور کا کام بڑھ گیا تھا اب وہ اپنے گھر کی مرمّت کروا رہا تھا۔ گھر کے سامنے کے حصّے میں جہاں پہلے اُس کے ابّا کام کرتے تھے۔ وہیں پر انور نے ٹین کے پترے ڈال کر گیرج کی شکل دے دی۔ برسات کے وقت گھر میں چین سے بیٹھنا مشکل ہوتا تھا۔ چھت سے پانی ٹپکتا تھا۔ انور نے وہاں پلاسٹک ڈال کر چھت کو مظبوط کیا۔ ساتھ ساتھ گھر کے اندر بھی چھوٹی موٹی تبدیلیاں کرادیں۔ جس سے گھر کے لوگوں کو آرام ملے۔

انجینیر بننے کے بعد کاشف کو بہت اچھی جاب ملی۔ کاشف اور اس کے گھر والوں کو بہت خوشی ہوئی۔ انور بھی بہت خوش ہوا اس نے اسے مبارک باد دی اور کہا چلو اب تم بھی کمانے والے بن گئے، میں تو بہت پہلے سے ہی اس راہ پر چل رہا تھا۔ کاشف صرف مسکرا کر رہ گیا اُس نے سوچا اب انور سے کچھ کہنا فضول ہے شاید اسے یہ بات کبھی سمجھ میں آئے کہ اُس نے کیا کھویا ہے۔

دونوں اپنے اپنے کام میں مشغول تھے چند سالوں میں ہی کاشف نے اپنا گھر بنایا اب وہ اپنے والدین کے ساتھ اُس گھر میں جا رہا تھا اُس نے انور کو بھی اپنے نئے گھر آنے کی دعوت دی۔ انور بہت خوش ہوا مگر اسے اس بات کا دکھ تھا کہ اس کا دوست اس سے دور جا رہا ہے۔ ویسے تو اب اُن کا ملنا بہت کم ہو گیا تھا انور کو بہت کام ہوتا اور کاشف کے پاس بھی فرصت نہ تھی۔ مگر آتے جاتے دونوں کی ملاقات ہو جاتی تھی۔ کاشف نئے گھر شفٹ ہوا کمپنی سے اسے کار بھی ملی تھی وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ چلا گیا۔ کاشف کی امّی نے بہت محبت کے ساتھ انور اور اس کے گھر والوں کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ انور اپنے والدین اور گھر والوں کے ساتھ کاشف کے دیے پتہ پر پہنچا۔

شاندار سے گھر کے پاس پہنچ کر وہ کچھ دیر رک گیا پھر پتہ پر ایک نظر ڈال کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اندر داخل ہو کر وہ حیرت زدہ رہ گیا اُس کے والدین بھی رشک سے کاشف کے گھر والوں کے ٹھاٹ دیکھ رہے تھے۔ ساری عمر محلے کے گھر میں گزری تھی۔ یہاں وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر رہے تھے۔ کاشف کی والدہ خوشی سے اُن کی طرف آئی اور انور کی والدہ کے گلے لگ گئی کئی دنوں کا ساتھ تھا وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ خلوص سے ملے۔

وہاں پر شہر کے اور کئی معزز لوگ بھی موجود تھے کئی لوگوں کو انور جانتا تھا جو اپنی سواریاں انور کے گیرج سے درست کراتے تھے۔ کئی ایک اُس کی طرف متوجہ بھی ہوئے۔ کسی نے کہا گیرج والا انور بھی آیا ہے اسی وقت کاشف نے آگے بڑھ کر اپنے دوست کا تعارف کرایا کہ یہ میرے بچپن کا دوست انور اور انور یہ میرے آفس کے ساتھی دوست ہیں اُس کی آنکھوں میں اپنے دوست کے لیے محبت تھی۔ اپنے دوست کی محبت اور خلوص پر انور کا دل بھر آیا اور اسی لمحہ وہ سمجھ گیا کہ اُس کا دوست بچپن سے اسے کیا سمجھانا چاہتا تھا جو وہ سمجھ ہی نہ سکا۔ کوئی کام بُرا نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اچھا ذہن دیا تھا ایسے ذرائع دیے تھے جن کو استعمال کر کے وہ بھی ترقی کر سکتا تھا سماج میں اپنی ایک مضبوط پہچان بنا سکتا تھا مگر اُس وقت اسے اپنی وقتی خواہشات ہی اہم معلوم ہوئی جن کے لیے اُس نے اپنا مستقبل داؤ پر لگا دیا۔ اُس کے والدین کو بھی اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ بیٹے کی تعلیم میں دلچسپی نہ لے کر انھوں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے

انور کے چہرے پر مایوسی دیکھ کر کاشف اُس کے پاس آیا اور اُس نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر دلاسے کے انداز میں کہا انور اُس وقت میں بھی تعلیم کی اہمیت کو آج کی طرح سمجھ نہیں سکتا تھا بس مجھے لگ رہا تھا میرا دوست میرا ساتھ چھوڑ کر پڑھائی چھوڑ کر کام کیوں کر رہا ہے مگر وقت کے ساتھ ساتھ تعلیم کی اہمیت اور بھی واضح ہوتی گئی۔ تم نے بہت کچھ سیکھا پیسا بھی کمایا اپنی خواہشات بھی پوری کر لی مگر سوچو اپنے کام میں دلچسپی رکھتے ہوئے تم اسی فیلڈ میں انجینیرنگ کرتے نوکری نہ کرتے مگر آج شہر میں اپنا شوروم تو کھول سکتے تھے۔ تم پڑھائی میں بھی اچھے تھے مگر اُس وقت تمھیں میری بات سمجھ میں نہیں آئی۔

اللہ تعالیٰ ہر انسان کو موقعہ دیتا ہے، موقعہ پر کام کرنے والے ترقی کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ عارضی خوشیاں چند لمحوں کی ہوتی ہے۔ کاشف کی بات انور اچھی طرح سمجھ گیا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے دیا موقعہ اُس نے گنوا دیا اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وقت رک جائے اور وہ وہیں چلا جائے۔ جہاں اُس سے کوتاہی ہوئی تھی مگر گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، مگر اُس نے سوچا اب وہ اپنے چھوٹے بھائی (وہ اپنے چھوٹے بھائی کو کام سیکھا رہا تھا) کو کام کرنے کی بجائے روز آنہ اسکول بھیجے گا اور پڑھائی پر زور دے گا۔ اُسے پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنائے گا۔

کارٹون کی دنیا

عدنان کو بچپنے سے ہی کارٹون فلم دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اکثر وہ کئی کئی گھنٹے کارٹون دیکھا کرتا تھا۔ وہ بہت ہی کم شرارت کرتا، نہ ہی دوسرے بچّوں کے ساتھ مل کر زیادہ وقت کھیل کود میں صرف کرتا اور نہ ہی کبھی کسی بات پر امّی کو تنگ کرتا تھا۔ وہ اور اُس کی چچازاد بہن قدسیہ دونوں مل کر کارٹون دیکھتے تھے۔ عدنان کی امّی خوش ہوتی کہ وہ اُس کی چھوٹی بہن سارا کی طرح بات بات پر پریشان نہیں کرتا، گھر کے کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے وہ خوش ہوتی کہ وہ انھیں بات بے بات تنگ نہیں کرتا تھا۔

کئی دنوں سے عدنان کی توجہ پڑھائی پر سے کم ہو رہی تھی۔ کھانے پر سے بھی اُس کا دھیان کم ہو گیا تھا۔ اب وہ اکثر سوچتا ہوا نظر آتا، وہ اپنے خیالوں میں اس قدر گُم ہوتا کہ کئی آوازیں دینے کے بعد متوجہ ہوتا۔ ایک مرتبہ کلاس میں معلّمہ تختہ سیاہ پر حساب سمجھا رہی تھی۔

تمام طلبا کی نظریں تختہ سیاہ پر اور ہاتھ نوٹ بک پر، توجہ کے ساتھ تمام طلبا متوجہ تھے۔ معلّمہ کے ہاتھوں کی حرکت پر عدنان کی نظر تھی اور دماغ ٹام اینڈ جیری (کارٹون فلم) کے ایک واقعہ پر اُس حرکت کے ساتھ وجود میں آنے والے اعداد ٹام اور جیری بن جاتے اور وہ خود بھی اُن میں شامل ہوتا، اُسے بڑا مزا آ رہا تھا۔ حساب سمجھانے کے بعد معلّمہ نے کلاس میں گشت لگا کر

مشاہدہ کیا کہ طلبا لکھ رہے ہیں یا نہیں، جب وہ عدنان کے پاس آئی تو اُسے بڑی محویت سے تختہ سیاہ کو دیکھتے ہوئے پایا اُس کا منہ کھلا تھا، آنکھیں مسکرا رہی تھیں دونوں ہاتھوں میں پینسل پکڑے وہ کہیں اور ہی تھا۔ معلّمہ نے آواز دی جب وہ متوجہ نہ ہوا تو کندھا ہلا کر پوچھا

''عدنان کیا ہوا'' اور وہ چونک کر نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت میں معلّمہ کا چہرہ تکنے لگا ۔معلّمہ نے دوبارہ پوچھا ''حساب سمجھ میں آیا نا؟ عدنان نے ''نا'' پھر ''ہاں'' میں گردن ہلائی ۔معلّمہ نے جلدی حل کرو بیٹھے کیوں ہو۔ کہہ کر دوسرے بچّوں کی طرف متوجہ ہوئی ۔عدنان نے ناسمجھی کی حالت میں معلّمہ کی طرف دیکھا پھر تختہ سیاہ کی طرف دیکھا اب اُس کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا اور اب وہ خالی ذہن کے ساتھ تختہ سیاہ کو تک رہا تھا۔ اکثر اب اُس کی یہی حالت ہوتی، کلاس میں ہو یا گھر میں وہ کاپی ہاتھ میں لیے نظریں کاپی پر اور دماغ میں تخّیل کی پرواز کہیں اور ہوتی، کبھی وہ ان کارٹونوں کا ایک کردار بن کر اُن کے ساتھ کھیل رہا ہوتا، کبھی جنگل تو کبھی آسمانوں میں اُڑ رہا ہوتا، تو کبھی بلّی کو سزا دینے کے لیے چوہے کے ساتھ مل کر کوئی نئی ترکیب بنا رہا ہوتا، اُسے جانوروں سے بھی کافی لگاؤ تھا اُس کا شوق دیکھتے ہوئے اُس کے والد نے ہر قسم کے چھوٹے بڑے (نقلی) جانور لاکر دیے تھے۔

اکثر خیالوں میں وہ کبھی گھوڑے پر سیر کر رہا ہوتا تو کبھی شیر کے ساتھ پنجہ لڑا رہا ہوتا، تو کبھی چھوٹے جانوروں کو جنگلی جانوروں سے بچانے کے لیے کوئی ترکیب سوچ رہا ہوتا۔ اپنے تخّیل کے سہارے وہ دنیا بھر کی سیر کر آتا، کھاتے وقت بھی اُس کی یہی حالت ہوتی کبھی نوالہ منہ میں رکھے خیالوں میں گم تو کبھی بے خیالی میں پلیٹ میں ہاتھ رکھے یہ حضرت کہیں اور یہ حالت دیکھ کر اُس کی امّی جھنجھلا جاتی۔ اب کی بار پہلے ششماہی میں اُس کا رزلٹ بہت خراب تھا معلّمہ نے اُس کی امّی کو بُلا کر عدنان کے بارے میں تفصیل سے بات کی اور کہا کہ وہ کافی کمزور ہو رہا ہے اُس کے کھانے پینے کے بارے میں بھی خیال رکھے۔

عدنان کے والدین اُسے اپنے ساتھ بچّوں کے خاص ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے پہلے اُس کے والدین سے عدنان کے روزانہ کے معمولات دریافت کیے پھر عدنان کا تفصیلی معائنہ کیا اور اُس سے اُس کی دن بھر کی مصروفیات، اسکول سے متعلق چھوٹے موٹے سوالات، اُس کے

خاص دوست ،اُس کے پسندیدہ کارٹون فلم ،اُن کے کردار وغیرہ کے بارے میں پوچھا۔عدنان اپنے پسندیدہ موضوع کے بارے میں جوش وخروش سے باتیں کررہا تھا کہ کارٹون کی دنیا میں کتنا مزا آتا ہے ہم اپنی پسند کے مطابق کارٹونوں کے ساتھ بات کرسکتے ہیں جہاں چاہے اُن کے ساتھ جاسکتے ہیں کوئی روک ٹوک نہیں وغیرہ وغیرہ یہ سب سُن کر ڈاکٹر نے کہا عدنان تم جو خیالوں میں سوچتے ہو وہ سب ایک خیالی دنیا ہے۔ جس میں صرف تم ہوتے ہو سوچو اگر وہ سب حقیقت میں ہو اور تمھارے ساتھ تمھارے دوست یا بھائی بہن بھی ہوں تو کتنا مزا آئے گا۔ یہ سُن کر خوشی و حیرت سے عدنان کا منہ کھل گیا اور اُس نے کہا کیا ایسا ہوسکتا ہے۔ڈاکٹر نے کہا کیوں نہیں ایسا ہو سکتا ہے۔ مگر اُس کے لیے پہلے تمھیں اپنی پڑھائی پر توجہ دینا ہوگی، اپنے کھانے پینے کا خیال رکھنا ہوگا پھر اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر اچھے اچھے کھیل کھیلو۔اب اگر تم نے اپنا سارا وقت کارٹون فلمیں دیکھنے میں صرف کیا تو اِس سے تمھاری پڑھائی اور صحت دونوں متاثر ہوگی اور تم بڑے ہوکر کچھ بننے کے قابل نہیں رہو گے۔ اگر تم نے ابھی سے پڑھائی اور صحت پر توجہ دی تو ہوسکتا ہے کہ بڑے ہوکر تم کمپیوٹر میں نمایاں کامیابی حاصل کر کے تم خود اپنے پسندیدہ کارٹون بناؤ یا فارسٹ آفیسر بن کر اپنے پسندیدہ جانوروں کے ساتھ رہو۔عدنان بہت ہی غور سے ڈاکٹر کی باتیں سُن رہا تھا کبھی خوشی سے تو کبھی حیرت سے اُس کی آنکھیں چمک اُٹھتی۔ آخر میں ڈاکٹر نے کہا تم آج سے ہی دل لگا کر اپنی پڑھائی میں مشغول ہو جاؤ، اچھے سے کھاؤ پیو اور اچھی صحت بناؤ۔عدنان نے خوشی سے حامی بھری۔

ڈاکٹر نے پھر اُس کے والدین سے تنہائی میں بات کی اور کہا کہ وہ ابھی چھوٹا ہے اس لیے آپ کو محنت کرنے کی ضرورت ہے مسلسل حرکت کرنے والی فلمیں یا کوئی کارٹون شو جو لگاتار دیکھا جائے تو وہ دماغ پر اثر کرتا ہے بچّے کا دماغ مسلسل اسی کے خیال میں لگا رہتا ہے اور رفتہ رفتہ اسے یہ خیالی دنیا بہت اچھی لگتی ہے ۔اپنے سارے پسندیدہ کام وہ اس دنیا میں رہ کر ہی کرتا رہتا ہے۔عملی طور پر وہ سست ہوجاتا ہے مگر خیالوں کی دنیا میں وہ خیالی گھوڑے دوڑا کر ہی خوش ہوتا ہے۔ ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے ۔بچّے کو اپنے پسندیدہ پروگرام کس حد تک دیکھانا چاہیے یہ فکر والدین کو ہو، اپنی مصروفیات کی وجہ سے بچّوں کو ٹیلی ویژن کے سامنے نہیں بیٹھانا چاہیے ۔اور کسی

بھی ایک پروگرام کو مسلسل نہیں دیکھانا چاہیے اور اگر بچّہ کسی ایک ہی پروگرام کو بار بار دیکھتا ہے تو اسے اس سے روکنا چاہیے۔ تاکہ وہ اُس کا عادی بن کر دیگر کاموں سے لاپرواہ نہ ہوجائے۔ ہم اپنے آج کے معمولی کاموں کے لیے بچّے سے اُس کا کل نہ چھینیں ورنہ ہمیں ہی پریشانی ہوگی۔ اب آپ اُس کا ٹائم ٹیبل بنائیں کھانے، پڑھنے کے اوقات پر نظر رکھیں زیادہ سے زیادہ وقت اُس کے ساتھ بتائیں اُسے دوستوں کے ساتھ میدانی کھیل کھیلنے کی عادت ڈالیں، زندگی سے جڑی حقیقی کہانیاں، پیغمبروں اور بزرگوں کے واقعات سنائیں یا چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی کتابیں پڑھنے کے لیے دیں۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے سوالات کا بھی جواب دیں اُن سے بیزاری کا اظہار نہ کریں۔ کبھی کبھی باغیچہ یا کسی کھلی فضا میں گھومنے لے جائیں۔ اکثر ہم اپنی مصروفیات میں بچّوں سے لاپرواہ ہوجاتے ہیں۔ ٹیوشن کے بھروسے پڑھائی میں بھی خاص دھیان نہیں دیتے جبکہ ہمیں اپنے بچّوں کی پڑھائی پر خود بھی توجہ دینا چاہیے۔ آپ یہ سب کام آہستہ آہستہ کریں تاکہ اُس پر کوئی بوجھ نہ ہو اور وہ اطمینان سے اپنے سب کاموں کو انجام دے۔

ڈاکٹر کی بات اُس کے والدین اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ اب اُس کی والدہ نے غیر محسوس طریقے سے آہستہ آہستہ اسے کارٹون فلمیں دیکھنے سے باز رکھا۔ فارغ وقت میں اُس کے والد اسے لے کر کرکٹ کھیلتے یا کبھی چھوٹی بہن سارا کے ساتھ باغیچہ لے جاتے۔ اب اکثر دوپہر کے وقت اُس کی امّی قرآن پاک کے قصّے سناتی اور عدنان بہت ہی غور سے قصّے سنتا تھا۔ اب اکثر اُس کے والد تحفہ میں کوئی چھوٹا نقلی جانور لانے کی بجائے اسے چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی کتابیں لادیتے یا بقرعید کے موقع پر کئی دن پہلے ہی بکرا لے آتے جس کے ساتھ بچّے وقت گزارتے۔ روزانہ اسکول کی مصروفیات پوچھتے دوستوں کے بارے میں سوالات کرتے اور عدنان بھی اب ڈاکٹر کی بات سُن کر اپنی پڑھائی پر توجہ دینے لگا تھا۔ ہر ہفتہ اس کی والدہ کلاس ٹیچر سے عدنان کی تعلیمی سرگرمیوں کے بارے میں دریافت کرتی اور اساتذہ کے کہنے کے مطابق اس کی پڑھائی میں مدد کرتی۔ اب تو دن بھر کی مصروفیات میں بہت کم وقت ہوتا اس کے پاس کارٹون دیکھنے کے لیے ڈاکٹر کی صلاح اور عدنان میں ہونے والی تبدیلیوں سے اس کے والدین بھی یہ بات سمجھ گئے کہ ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے بچّوں کو اُن کے پسندیدہ پروگرام کس حد تک دیکھانا چاہیے یہ والدین کو ہی طے کرنا چاہیے

اور ہماری ذراسی لاپرواہی ہمارے بچوں کی شخصیت کونقصان پہنچاسکتی ہے۔

عدنان کی صحت پران تمام باتوں کا خاطرخواہ اثر ہوا۔اب وہ کھانا وقت پر کھاتا وہ بھی توجہ کے ساتھ،اسکول میں پڑھائی پربھی اُس کا دھیان دن بہ دن بڑھتا جارہا تھااور سالانہ امتحان میں رزلٹ بھی اچھا تھا اساتذہ سے ملی شاباشی اور والدین سے ملے تحفے سے وہ بہت خوش ہوا۔ دوستوں کے ساتھ کھیلنے سے اب اس کے دوستوں میں بھی اضافہ ہوا تھا۔والدین کے ساتھ باہر گھومنے پھرنے سے اطراف کے ماحول کا اثر،کھلی آب وہوا کا احساس اس میں ایک نئی تازگی کا احساس بڑھا رہا تھا۔قران کے قصے ،بزرگوں کے واقعات ان سب سچے قصوں نے اس کی شخصیت کونکھار دیا تھا۔اب وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا کہ خوابوں کی زندگی اور حقیقی زندگی میں بہت فرق ہے۔خوابوں میں ہر وقت اپنی مرضی اور ایک جگہ بیٹھے بیٹھے خیالی گھوڑے دوڑانے سے زندگی کی حقیقت نہیں بدلتی اور ہماری حقیقی زندگی اور ہم جو اس کے چلتے پھرتے کردار ہیں یہ زندگی عمل سے ہی خوشگوار بن جاتی ہے۔اوراس نے اپنے آپ سے جیسے عہد کیا کہ وہ محنت کر کے اپنے خوابوں کوحقیقت بنائے گا۔اوراپنے خوابوں کوحقیقی رنگ سے سجائے گا۔

فوجی

اسداور سعد گلی میں کھیل رہے تھے۔دونوں بہت اچھے دوست تھے۔ایک ساتھ کھیلتے تھے۔ کھیلتے کھیلتے اسد کی نظر سامنے سے آتے فوجی پر گئی اور وہ ابّا کہہ کر کھیل چھوڑ کر کھڑا ہوا اور دوڑ کر فوجی کی طرف بڑھ گیا۔ابّا آگئے کہہ کر ٹانگوں سے لپٹ گیا۔سعد بھی پاس آ کر کھڑا ہوا۔اسد کے ابّا آگئے اب یہ تو نہیں کھیلے گا یہ سوچ کر اُس نے کہا اسد میں چلتا ہوں اسد نے ہاں میں گردن ہلائی اور اپنے والد کے ساتھ گھر کی طرف بڑھ گیا۔امّی امّی اُس نے آواز لگائی۔آواز سُن کر اسد کی امّی باہر آئی اور اسے اُس کے والد کے ساتھ دیکھ کر کہا اچھا تمھارے لَوْ آگئے اس لیے کھیل چھوڑ کر آ گئے ورنہ تمھیں اور ایک گھنٹہ کھیلنا تھا۔چلو تمھارے ابّو سفر سے آئے ہیں انھیں آرام کرنے دو تم میری مدد کرو۔اچھا امّی کہتے ہوئے وہ لَوْ کا ہاتھ چھوڑ کر امّی کے پیچھے چلا آیا۔

اسد کے والد فوج میں تھے۔ہر بار جب بھی تبادلہ ہوتا وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ جاتے مگر اب کئی دنوں سے یہیں تھے اسد کا اسکول بھی اچھا تھا اسی لیے تبادلہ کی نئی جگہ اکیلے ہی گئے تھے۔اب کئی دنوں کے بعد چھٹیوں میں لوٹے تھے تو اسد اپنا پسندیدہ کھیل چھوڑ کر والد کے ساتھ گھر چلا آیا۔ سعد اُس کا اچھا دوست تھا اور کسی سے اُس کی زیادہ دوستی نہ تھی۔اسکول بھی دونوں کا ایک ہی تھا۔

شام میں کھانا کھانے کے بعد اسد اپنے والد کے پاس بیٹھ کر اپنے اسکول اور دوستوں کی باتیں کر رہا تھا۔ اُس نے پوچھا ابّو آپ وہاں کیا کرتے ہیں۔ اس کے والد نے کہا بیٹا میں فوجی ہوں میرے جیسے کئی فوجی ہیں ہم ملک کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر کوئی دشمن ہمارے ملک پر حملہ کرے تو ہم اُس کا مقابلہ کرتے ہیں اپنے بچاؤ کی ترکیب کرتے ہیں اور وقت پڑنے پر حملہ بھی کرتے ہیں۔ اسد نے کہا آپ ہر وقت لڑتے ہی رہتے ہیں۔ اسد کی بات پر اُس کے والد نے ہنس کر کہا" بیٹے ہم ہر وقت لڑتے نہیں بلکہ تیاری میں ہوتے ہیں کہ اگر کوئی دشمن ہمیں پریشان کرے تو ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے کے بجائے اُس سے مقابلے کی تیاری کریں۔ اپنے لوگوں کی حفاظت کرنا بہت بڑا کام ہے۔ اپنی عمر کے لحاظ سے کچھ باتیں سمجھی کچھ نہ سمجھی مگر وہ یہ سمجھ گیا کہ اُس کے والد بہت بڑا کام کرتے ہیں۔ ایک ہفتہ کی چھٹیاں گزار کر اُس کے والد لوٹ گئے اور اسد پھر سے اپنے دوستوں میں مصروف ہو گیا۔

ایک روز جلد اسکول کا کام ختم کر کے اسد سعد کے گھر گیا تو دیکھا وہاں صفائی کا کام چل رہا تھا۔ اسد کے بلانے پر سعد نے کہا تم جاؤ میں تھوڑی دیر سے آ رہا ہوں کہہ کر دوبارہ کام میں مشغول ہوا۔ اسد بھی وہی کھڑا ہو کر سعد کو کام کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ سعد ایک ایک کشن کو جھٹک جھٹک کر رکھ رہا تھا۔ اسد نے کہا سعد تم اس قدر زور سے کیوں جھٹک رہے ہو۔ سعد نے کہا اسد یہ دشمن (کھٹل) بڑے چالاک ہوتے ہیں۔ تاک کر حملہ کرتے ہیں۔ آج ابّو نے دوا مارنے والوں کو بلایا ہے اس لیے میں بھی مدد کر رہا ہوں اور انھیں جھٹک کر نکال رہا ہوں ورنہ کھٹل چھپ جاتے ہیں۔ یہ سب سُن کر نہ جانے کیا سوچ کر اسد نے سعد کی نظر بچا کر ایک کھٹل ہاتھ میں لیا اور میں گھر جا رہا ہوں کہ کر گھر کی جانب بڑھ گیا سعد نے بھی کام کی وجہ سے خیال نہ کیا۔

گھر آ کر اُس نے صوفے کے نیچے اُسے چھوڑ دیا۔ رات میں وہ امّی کے پاس سویا تھا تو کسی چیز کے احساس سے وہ اُٹھ بیٹھا اُس کے پیر پر لال نشان تھا اور آگ ہو رہی تھی۔ پیر پر ہاتھ پھیر کر وہ واپس سو گیا۔ صبح اُٹھ کر اُس کی امّی نے جب اُس کا پیر دیکھا تو کہا اسد یہ کیا ہوا۔ اسد نے کہا امّی رات میں پیر میں آگ ہو رہی تھی شاید کسی کیڑے نے کاٹا۔

امّی نے کہا یہ تو مچھر یا کھٹمل کے کاٹنے کا نشان لگتا ہے۔ یہ سُن کر اسد کو اپنی کل والی حرکت یاد آئی اور وہ بے چین ہو کر کھڑا ہوا اور کہا امّی مگر وہ مجھے نظر نہیں آیا۔ امّی نے کہا وہ تمھیں نظر کیسے آئے گا مچھر تو کاٹ کر اُڑ جاتے ہیں اور کھٹمل بھی کونے میں کہیں چھپ جاتے ہیں۔ یہ سُن کر کچھ سوچ کر اُس نے سر ہلایا اور اپنی بیاض سے ایک صفحہ نکال کر اُس پر لکھا (1) دشمن بڑا چالاک ہے تاک کر حملہ کرتا ہے اور حملہ کر کے چھپ جاتا ہے۔

پھر روز مرّہ کے کام میں مشغول ہوا۔ رات میں سونے سے پہلے وہ چوکنا ہو کر بستر کے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی امّی نے جب اسے دیکھا تو کہا کیا ہوا اسد کیا تلاش کر رہے ہو؟ اسد نے جلدی سے کہا امّی کچھ نہیں سو رہا ہوں۔ رات میں جب بھی وہ اُٹھا اُس نے ہاتھ پیر کھجاتے ہوئے یہاں وہاں کھٹمل کو تلاش کیا پھر نہ ملنے پر سو گیا۔ صبح جب وہ اُٹھا اُس کی امّی بڑبڑا رہی تھی کہ نہ جانے یہ کھٹمل کہاں سے آگئے اب یہ بلا ٹلنا مشکل ہے۔ اسد نے کہا امّی مگر یہ تو ایک ہی تھا میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے ایک ہی کھٹمل دیکھا تھا۔ اس کی امّی نے کہا ایک سے دس ہونے میں انھیں کیا وقت لگتا ہے۔ تمھارے والد بھی یہاں نہیں ہیں ورنہ دوا والے کو بلا کر صفائی کروا لیتے۔ اسد نے دل میں شرمندگی محسوس کی اُس نے سوچا یہ سب اُس کی وجہ سے ہوا۔ اس نے صفحہ پر لکھا

(2) ایک ساتھی فوراً اپنے ساتھیوں کو جمع کر لیتا ہے۔

مگر وہ اس بات سے پریشان تھا کہ کھٹمل نظر کیوں نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے سوچا آج رات جاگ کر میں اس کا پتہ کروں گا۔ اُس کی والدہ اُس کی حرکت سے واقف نہ تھی اس لیے وہ اپنے کاموں میں لگ گئی۔ دن بھر بیٹھ کر وہ ترکیب سوچتا رہا کہ دشمن کو کس طرح پکڑا جائے رات میں وہ امّی کے پاس سوتا بن گیا۔ جیسے ہی اُس کے پیر پر کسی شئے کے کاٹنے کا احساس ہوا وہ امّی کے سونے کا یقین کر کے آہستہ سے اُٹھ بیٹھا اور اپنے پیر کے آس پاس دیکھا تو وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ پھر جیسے ہی اُس نے بستر کی دوسری طرف دیکھا اسے ایک کھٹمل دوڑتا ہوا نظر آیا۔ اسد نے پکڑنے کی کوشش کی تب تک وہ غائب ہو چکا تھا۔ اُسی وقت اس نے صبح کا صفحہ نکالا اور اُس پر لکھا

(3) نظروں میں آتے ہی پکڑے جانے کے خوف سے فوراً جائے واردات سے بھاگ جاتے ہیں۔

پھر وہ سو گیا۔ اسکول میں سعد نے کہا اسد آج کل تم کس کے ساتھ کھیلتے ہو؟ نظر ہی نہیں آتے اسد نے کہا وقت ہی نہیں ملا میں گھر پر ہی تھا۔ سعد نے حیرت سے کہا اچھا تمھیں کھیلنے کے لیے وقت نہیں ملا۔ اپنی سوچ میں گم اسد نے کہا سعد تمھیں کیسے پتہ چلا جب تمھارے گھر میں کھٹملوں نے حملہ کیا۔ اسد کی بات پر حیران ہو کر سعد نے اسے دیکھا اور کہا اسد وہ کاٹتے ہیں تب پتہ چل جاتا ہے اور ایک بار گھر میں گھس گئے تو جلدی نکلتے نہیں، پر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو اب ہمارے گھر میں نہیں ہے تم اسی لیے تو میرے ساتھ کھیلنے نہیں آرہے ہو، کیا تمھاری امّی نے منع کیا؟ سعد کے سب سوالوں کے جواب میں اسد نے کہا نہیں ایسی کوئی بات نہیں کہہ کر اپنی کلاس کی جانب چل دیا۔ سعد پریشانی سے اسے دیکھتا رہا۔ اسد نے اپنے بیگ میں سے وہ صفحہ نکالا اور اُس پر لکھا

(4) دشمن ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کے بعد آسانی سے وہ جگہ نہیں چھوڑتے۔

پھر اساتذہ کے آتے ہی وہ اسکول کی پڑھائی میں مصروف ہوا۔ گھر آ کر تھوڑی دیر آرام کر کے وہ سعد کے ساتھ کھیلنے چلا گیا سعد اسے دیکھ کر خوش ہوا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے دوست تھے کسی اور سے دوستی نہ تھی اس لیے آج کل اسد کے نہ کھیلنے سے سعد پریشان تھا۔ کھیل کے دوران بھی اسد اس سے چھوٹے چھوٹے سوالات کرتا رہا کہ دوائی مارنے والے نے کتنے دنوں میں انھیں ہلاک کیا۔ کتنے لوگ دوا مارنے آئے تھے۔ حملہ کے دوران وہ کس طرح بچ رہے تھے۔ سعد نے کہا اچھا تو تم اپنی معلومات کے لیے یہ سب پوچھ رہے ہو۔ اسد نے ہاں میں گردن ہلائی تو سعد کو اطمینان ہوا ورنہ وہ اپنے دوست کے رویہ سے پریشان ہوا تھا۔ رات میں اسد نے کھٹمل کو پہلے والی جگہ پر تلاش کیا تو اسے غائب پایا تب تلاش کرنے پر دوسری جگہ نظر آیا اسد نے فوراً ماردیا۔ اپنا صفحہ نکال کر لکھا

(5) دشمن ٹھکانہ معلوم ہونے پر فوراً جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔

پھر وہ آ کر اپنے بستر پر بیٹھا تو دیکھا ایک طرف ایک کھٹمل مرا پڑا ہے جیسے ہی اسد نے پھینکنے کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا وہ فوراً فرار ہوا اسد او! کہہ کر ٹیبل کی طرف آیا اور صفحہ نکال کر لکھا

(6) اپنے بچاؤ کے لیے حملہ آور سے بچنے کے لیے مری حالت میں پڑے رہتے ہیں پھر موقعہ ملتے ہی فرار ہو جاتے ہیں اسی وقت اس کی امّی نے دیکھا اور کہا اسد کیا ہوا ان کھٹملوں کی وجہ

سے نیند نہیں آ رہی ہے نا، نیند حرام کر دیتے ہیں یہ منحوس کیڑے کہہ کر کروٹ بدل لی۔ اسد نے جلدی سے صفحہ نکالا اور لکھا

(7) یہ خطرناک دشمن اپنے حملوں کی وجہ سے سب کی نیند حرام کر دیتے ہیں۔

صبح سے امّی صفائی میں لگی تھی، وہ پریشان تھی کہ اُس کے والد آئے تو اُن کی لاپرواہی پر غصہ ہوں گے۔ امّی کی پریشانی اُس سے دیکھی نہ گئی اُس نے کہا امّی سعد جانتا ہے دوا مارنے والوں کو، وہ سعد کے گھر آئے تھے میں سعد سے کہہ دیتا ہوں ۔اسد نے سعد سے کہا تو اُس نے کہا اچھا تو تمھارے گھر میں بھی کھٹمل تھے اسی لیے تم مجھ سے سوالات کرتے تھے۔ اب اسد اسے اپنی اس روز کی حرکت کے بارے میں کیا بتاتا اُس نے سعد سے کہا ہاں انھیں ہمارے گھر لے کر آؤ۔ سعد انھیں لے آیا اُن کی مدد سے صفائی ہوگئی۔ دوائی مارنے والے نے اُس کی امّی سے کہا آپ کے گھر زیادہ محنت نہ کرنا پڑی اب تک زیادہ پھیلے نہ تھے ورنہ سعد کے گھر میں بہت تھے۔ امّی نے کہا ہاں ہمارے یہاں کبھی نہ ہوئے نہ جانے اب کی بار کہاں سے آئے اسد خاموش کھڑا تھا اب اُن سے کیا کہتا کہ وہ اُس کی بے وقوفی کی وجہ سے آگئے تھے۔ گھر اچھے سے صاف ہوا۔ پیسے لے کر وہ لوگ چلے گئے۔

اسکول سے آنے کے بعد جب اُس نے گھر میں اپنے والد کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ کھانا کھاتے ہی وہ والد کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کہا ابو میں بھی ایک اچھا فوجی بن سکتا ہوں اُس کے ابّا نے خوش ہو کر کہا اچھا مجھے بتاؤ تم کیسے فوجی بنو گے۔ میں پہلے دشمن کی سب خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھوں گا پھر انھیں پکڑوں گا ۔یہ سُن کر اُس کے والد نے کہا واہ اس قدر اہم بات کس نے تمھیں بتائی ۔اسد نے کہا میں ابھی آتا ہوں مجھے آپ کو کچھ دکھانا ہے کہہ کر اندر گیا اور ہاتھ میں صفحہ لیے واپس آیا اور پھر کسی بڑے دانش مند کی طرح اپنے والد کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ میں نے ایک دشمن پر نظر رکھی تھی تو مجھے یہ باتیں معلوم ہوئی کہہ کر اُن کے ہاتھ میں صفحہ دیا۔

(1) دشمن بڑا چالاک ہے تاک کر حملہ کرتا ہے اور حملہ کر کے چھپ جاتا ہے۔

(2) ایک ساتھی فوراً اپنے ساتھیوں کو جمع کر لیتا ہے۔

(3) نظروں میں آتے ہی پکڑے جانے کے خوف سے فوراً جائے واردات سے بھاگ جاتے ہیں۔

(4) دشمن ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کے بعد آسانی سے وہ جگہ نہیں چھوڑتے۔

(5) دشمن ٹھکانا معلوم ہونے پر فوراً جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔

(6) اپنے بچاؤ کے لیے حملہ آور سے بچنے کے لیے مری حالت میں پڑے رہتے ہیں پھر موقعہ ملتے ہی فرار ہو جاتے ہیں۔

(7) یہ خطرناک دشمن اپنے حملوں کی وجہ سے سب کی نیند حرام کر دیتے ہیں۔

صفحہ پڑھنے کے بعد اُس کے والد نے سنجیدگی سے اُس کی طرف دیکھا اور کہا "بیٹا سچ بتانا تم نے کس دشمن پر نظر رکھی تھی یہ تو کوئی خطرناک قسم کے لوگ لگتے ہیں۔ میں بھی یہاں نہیں رہتا ہوں ایسا نہ ہو کہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔ اور تم نے اس قدر باریکی سے کب اُن لوگوں کا مشاہدہ کیا" ۔اسد نے کہا "ابو میں کہیں گیا نہیں میں اسے اپنے گھر لے آیا"۔ اُس کے والد نے حیرت سے کہا" کیا کہہ رہے ہو تم اسے گھر لے آئے تمھارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ تمھاری امّی نے کچھ نہ کہا" کہتے ہوئے اُس کے ابّو نے اسد کی امّی کو آواز دی۔ اسد نے گھبر کر کہا "ابو جب امّی کو اُن سے پریشانی ہوئی تو باہر سے لوگوں نے آکر انھیں مار بھگایا"۔ یہ سُن کر اُس کے ابا پریشانی سے کھڑے ہوئے اسی وقت اُس کی امّی بھی وہاں آئی اور کہا "کیا ہوا آپ نے آواز کیوں دی"۔ اسد کے ابا نے کہا "یہ اسد کیا کہہ رہا ہے کون دشمن گھر میں گھس آئے تھے اور کون لوگ آئے تھے انھیں مارنے کے لیے" یہ سُن کر پہلے تو اسد کی امّی نے ناسمجھی کی حالت میں اُس کے ابا کی طرف دیکھا پھر اسد کی طرف۔ اسد نے کہا "امّی وہ سعد کے ابا کے جاننے والے لوگ" اتنا سنتے ہی اُس کی امّی نے ہنس کر کہا" اوہ میں اب سمجھی وہ دوائی مارنے والے آئے تھے گھر میں کھٹمل کی وجہ سے پریشانی ہو رہی تھی"۔

یہ سنتے ہی اُس کے ابا کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی انھوں نے اسد کو پکڑ کر کہا" مجھے ستا رہا تھا پہلے نہیں بتا سکتا تھا کہ گھر میں کھٹمل ہوئے تھے۔ اور تم مجھے کیا کہہ رہے تھے کہ تم اسے لے آئے تھے"۔ اسد ڈرتے ہوئے کہنے لگا۔

ایک دن سعد کے گھر میں صفائی ہو رہی تھی جب میں گیا تو سعد نے کہا کہ یہ بہت خطرناک دشمن ہے تو میں نے سوچا اسے گھر لا کر دیکھوں گا کہ کس طرح وہ حملہ کرتا ہے اور اُس سے بچنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے"۔ یہ سُن کر اس کے والد نے کہا واہ میرا بیٹا تو بہت ہوشیار ہے اور تمھارا

مشاہدہ بھی کافی گہرا ہے سچ تمھیں تو فوجی ہونا چاہیے۔ اسد نے خوشی سے کہا سچ ابّو میں بن سکتا ہوں فوجی اُس کے ابا نے کہا ''ہاں کیوں نہیں تم بہادر بھی ہو اور ہوشیار بھی اور تم نے جو یہ اہم باتیں نوٹ کی ہیں یہ تو بہت کام کی ہیں۔ ٹریننگ کے دوران ہمیں یہی باتیں بتائی جاتی ہیں''۔ اسد نے خوش ہو کر کہا ''ابّو میں نے لکھ کر اچھا کیا نا'' ابّو نے کہا ''ہاں بیٹے اچھا کیا۔ اب ایک بات غور سے سنو ''اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اتنی طاقت دی ہے کہ وہ وقت پڑنے پر اپنا بچاؤ کر سکے پھر چاہے وہ کوئی کیڑا ہی کیوں نہ ہو سمجھے اب کھٹمل کی ہی مثال لو ہے تو یہ ایک کیڑا مگر اسد یہ کیڑا بہت ہوشیار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہوئی دانائی کا استعمال کس قدر ہوشیاری سے کرتا ہے۔ پھر ہم تو انسان ہیں، ہم بہادری اور ہوشیاری سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں کیونکہ اپنی جان کی حفاظت کرنا ہر ایک کا جائز حق ہے اسی سے ہمیں سبق لینا چاہیے اور یہ باتیں تمھاری وجہ سے میں بھی اچھی طرح سمجھ گیا،

اسد نے کہا ہاں ابّو میں بھی اچھی طرح سمجھ گیا کہ ہر ایک سے اپنی حفاظت کیسے کی جائے یہ سیکھنا چاہیے اور ممکن حد تک اپنے بچاؤ کی ترکیب کرنا چاہیے جب ایک کیڑا اس قدر ہوشیاری سے اپنی حفاظت کر سکتا ہے تو ہم تو انسان ہیں۔ میں اب ایک اچھا فوجی بن کر اپنی اور اپنے وطن کی حفاظت کروں گا۔

خواہش

جلیل چاچا نے جیسے ہی آواز دی اسکول میں چائے لے جانا ہے۔ارباز فوراً ہی آ کر کھڑا ہوا۔اُس نے کہا

''چاچا میں جاؤں'' چاچا نے اُس سے کہا جلدی واپس آؤ تم وہاں بہت وقت لگا کر آتے ہو۔''ہاں'' میں گردن ہلاتے ہوئے خوشی خوشی ایک ہاتھ میں چائے کی کیتلی تو دوسرے ہاتھ میں گلاس کا اسٹینڈ پکڑے ارباز اسکول کی طرف روانہ ہوا۔

ارباز کو وہاں جانا بہت ہی بھلا معلوم ہوتا وہاں اسکول میں ایک الگ جہاں آباد تھا۔کلاس میں پڑھتے ہوئے بچے، کچھ سستی و بے زاری لیے ہوئے کچھ شوق و ذوق سے پڑھتے ہوئے، تعطیل میں میدان میں کھیلتے ہوئے بچے جو پسینے سے شرابور گیند کے پیچھے بھاگتے ہوئے، ہانپتے ہوئے، چہرے خوشی سے دمکتے، گر کر چوٹ لگنے پر بھی آنکھوں میں جیت کا خمار اور ہار کر بھی جوش کم ہونے کی بجائے بڑھتا ہوا۔ارباز کے لیے یہ نظارہ ہر خواہش سے بڑھ کر تھا۔بہت ہی محویت سے وہ اِن نظاروں میں گم ہوتا۔نہ جانے اپنے کس کس جذبہ کی تسکین وہ یہاں آ کر حاصل کرتا تھا۔تعطیل ہوتے ہی سب طلبا اپنا اپنا کھانا لے کر میدان کی طرف دوڑے۔اپنے دوستوں کے گروپ میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ارباز سب کو دیکھ رہا تھا آنکھوں میں خوشی کے ساتھ حسرت بھی تھی۔بہت ارمان تھا اُس کو کہ وہ بھی صاف ستھرے اسکول کے لباس میں موزے جوتے کے ساتھ ہاتھ میں

بیگ لیے شان سے اسکول جائے ہر وقت کھلی آنکھوں سے وہ یہ خواب دیکھتا تھا کہ اُس کے ہاتھوں میں چائے کی کیتلی کی بجائے اسکول کا بیگ ہے کبھی وہ ان سب کے ساتھ میدان میں دوڑ رہا ہے تو کبھی ان کے ساتھ بیٹھ کر پڑھ رہا ہے۔ یہ اُس کے زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ ''اے لڑکے جلدی آؤ'' کی آواز پر چونکتے ہوئے اپنے خیالوں سے نکل کر وہ آفس کی طرف بڑھ گیا۔ جلدی جلدی اُس نے گلاسوں میں چائے نکالی اور تمام اساتذہ کی طرف بڑھائی اُسے پتہ تھا کہ اُن کے پاس بہت ہی کم وقت ہوتا ہے انھیں جلدی سے چائے پی کر اپنی کلاسوں میں جانا ہوتا تھا۔ انھیں چائے دے کر وہ کلاس کی طرف بڑھ گیا کلاس میں چند طلبا بیٹھے اپنا کام کر رہے تھے اور چند ڈرامہ کی مشق کر رہے تھے۔ ارباز بھی شوق و تجسس سے دیکھنے لگا۔ کئی دنوں سے سالانہ پروگرام کی تیاری کی جارہی تھی۔ دو چار دنوں سے ارباز کا بھی یہ معمول بن گیا تھا کہ وہ آ کر اُن کی تیاری دیکھتا، اُس کی آنکھوں میں شوق کا ایک جہاں آباد ہوتا۔ لبوں پر خوب صورت مسکراہٹ ہوتی اور زبان پر مکالمے ہوتے اگر لڑکے درمیان میں کچھ بھول جاتے تو ارباز بول اُٹھتا۔

آج بھی اُس کی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی اُس نے بہت ہی بہترین اداکاری کرتے ہوئے مکالمے کہے بچّوں کی تالیوں کی آواز اور اساتذہ کی شاباشی کی آواز پر چونکا اور شرمندہ ہو کر جانے لگا۔ تب اساتذہ نے اسے روکا اور پوچھا ''واہ تمھیں تو سب مکالمے یاد ہیں اور اداکاری بھی کس قدر اچھی کرتے ہو، کون سی اسکول میں پڑھتے ہو۔'' ارباز نے مایوسی سے گردن ہلا کر کہا ''میں اسکول نہیں جاتا ہوں، دِن بھر چائے کی دکان میں کام کرتا ہوں یہاں روز آتا ہوں کئی دنوں سے تیاری دیکھ رہا تھا اس لیے وہ مکالمے یاد ہو گئے۔'' اُس کے شوق و لگن کو دیکھ کر معلّمہ کو بہت خوشی ہوئی۔ انھوں نے ارباز سے کہا تم پڑھنا چاہتے ہو۔ اُس نے خوشی سے گردن ہلائی مگر ایک بے نام سی اداسی اُس کے چہرے پر پھیل گئی اُس نے کہا ''امّاں منع کرتی ہے، ابّا گاؤں میں ہے'' معلّمہ نے پوچھا امّاں کیوں منع کرتی ہے۔ اس نے کہا گھر میں میں اکیلا ہی لڑکا ہوں، مجھے سب کام کرنے ہوتے ہیں چھوٹی بہن اسکول جاتی ہے، ابّا گاؤں سے روپے بھیجتے ہیں پر امّاں کہتی ہے خرچ بس نہیں ہوتا اس لیے مجھے بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ اساتذہ کو کافی عجیب محسوس ہوا کہ لڑکی کو اسکول بھیجا جاتا ہے اور لڑکا تعلیم سے محروم ہے۔ انھوں نے ارباز سے کہا کل تم امّی کو میرے پاس لے کر آؤ میں بات کرتی ہوں۔ ارباز نے خوشی سے حامی بھری اور چائے کی کیتلی لیے چلا گیا۔

دوسرے دن ارباز اپنی ماں کے ساتھ اسکول آیا۔ ارباز کی ماں کو لگا ضرور ارباز نے غلطی کی ہوگی پتہ نہیں چائے کم دی یا گلاس توڑ دیا۔ اس لیے وہ آتے ہی کہنے لگی "دیکھو بہن جی اس کی ماں تو مر گئی، باپ کمانے کے لیے گاؤں میں رہتا ہے، یہاں یہ میرے پاس ہے۔ میری بھی چھوٹی لڑکی ہے اُس کو اسکول لانا لے جانا، کھانا پکانا گھر کے سب کام کرنا میری ذمہ داری ہے۔ اور تو اور لوگوں سے اس کی شکایتیں بھی سننا، اب اس نے کیا کیا" اساتذہ نے کہا "دیکھئے آپ میری بات سنیے ہمیں ارباز سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ یہ لڑکا ہے آپ اسے تعلیم سے محروم کیوں رکھ رہی ہیں۔ کل کو یہی لڑکا پڑھ لکھ کر آپ کے کام بھی آئے گا۔ ہمارا صبح کا اسکول ہے آپ اسے صبح اسکول میں بھیجیے۔ اسکول کے بعد یہ چائے کی دکان پر بھی جا سکتا ہے۔ جب وہ دن بھر مصروف رہے گا تو آپ کو بھی لوگوں سے کچھ شکایتیں سننے کو نہ ملے گی۔ اُس کی پڑھائی بھی ہوگی اور کام کر کے چار پیسے بھی ملے گے جو اس کی تعلیم کے کام آئے گے۔" اساتذہ کے سمجھانے پر ارباز کی ماں سمجھ گئی۔ اُس نے کہا میں زیادہ خرچ نہیں کر سکتی میری لڑکی بڑے اسکول میں پڑھتی ہے دونوں کے خرچ زیادہ ہوگا۔ اساتذہ نے کہا آپ فکر نہ کریں یہ گورنمنٹ اسکول ہے یہاں لباس، کتابیں، دیگر چیزوں کے علاوہ کھانا بھی ملتا ہے آپ کو کچھ بھی خرچ نہیں آئے گا۔ یہ سن کر ارباز کی ماں خوش ہو کر بولی اچھا یہ تو بہت اچھی بات ہے کوئی خرچ نہیں میں اسے کل سے ہی بھیجتی ہوں۔ آفس میں جا کر نام درج کرایا گیا اسکول سے جو جو سامان طلبا کو دیا جاتا تھا وہ سب ارباز کو دیا گیا۔ ارباز کے سب سے بڑے خواب کو تعبیر ملی۔ اساتذہ نے جان لیا کہ ارباز کی سوتیلی ماں ہے۔ انھوں نے حکمت عملی سے انھیں ارباز کو اسکول بھیجنے پر راضی کیا۔ ارباز خوشی خوشی سب لے کر گھر چلا گیا۔

دوسرے دن بڑے شوق سے جلدی جلدی تیار ہو کر بڑی شان سے اسکول کے یونیفارم میں، بیگ کندھے سے لٹکائے وہ اسکول میں داخل ہوا۔ اُسے دیکھ کر تمام اساتذہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ لڑکے بھی خوش ہوئے۔ ارباز ذہین لڑکا تھا اُس نے بہت جلد ہی اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو پورا کیا۔ دن رات محنت کر کے اُس نے اپنا کام پورا کیا۔ اساتذہ و دیگر لڑکوں نے اس کی مدد کی۔ اسکول کے پروگرام میں ڈرامہ دیکھ کے ہیڈ ماسٹر نے ریاستی پیمانے پر منعقد ڈرامہ مقابلہ میں یہ ڈرامہ رکھا جائے اس کی درخواست کی۔ زور شور سے تیاری شروع ہوئی۔ ڈرامہ میں مرکزی کردار

کے لیے سب نے ارباز کا نام لیا۔ارباز نے خوشی سے ہای بھری۔ارباز نے بڑی محنت سے تیاری شروع کی۔اُس کا جوش وخروش دیکھنے لائق تھا۔

مقابلہ کے دن سب تیاری کے ساتھ ہال میں پہنچ گئے۔ایک کے بعد ایک ڈرامہ ہو رہے تھے مہمان اور جج محو ہو کر دیکھ رہے تھے۔جب ارباز کے اسکول کے ڈرامہ کا نمبر آیا تو ارباز بھی ایک عزم کے ساتھ اسٹیج پر پہنچا۔ڈرامہ دیکھنے لائق تھا سب طلبا نے شاندار اداکاری کی۔ارباز کی اداکاری تو دیکھنے لائق تھی۔ڈرامہ کے اختتام پر مہمان وحاضرین کی تالیوں سے ہال گونج اُٹھا۔ سب ڈراموں کے ختم ہونے پر رزلٹ کے لیے اسٹیج پر تیاری کی جارہی تھی۔نہ جانے کیا رزلٹ ہو یہ سوچ کر ارباز کا دل دھڑک رہا تھا۔جب انعام کے لیے نتائج کا اعلان ہوا تو ارباز کے اسکول کا ڈرامہ دوسرے نمبر پر آیا۔اساتذہ اور لڑکے خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے پہلی بار ریاستی طور پر اُن کے اسکول کا نمبر آیا تھا۔ارباز بھی خوشی سے تالیاں بجا رہا تھا اور جب عمدہ اداکاری کے لیے اوّل نمبر کے لیے ارباز کا نام پکارا گیا تو ایک لمحہ کے لیے ارباز حیرت سے کھڑا ہو گیا سب کی مبارک بادی کی آواز پر وہ آنکھوں میں آنسو لئے اسٹیج کی طرف بڑھ گیا۔

مہمان کے ہاتھوں انعام لیتے ہوئے بھی اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔اُس نے تو صرف اسکول میں داخلہ کی خواہش کی تھی مگر اپنی محنت ولگن کی یہ پذیرائی اُسے خوشی کے آنسو بہانے پر مجبور کر رہی تھی۔سب نے اسے سراہا جب وہ انعام لے کر اپنے والدین کے پاس آیا تو اُس کے والد نے اسے گلے سے لگایا ماں نے بھی مبارک باد دی اور وہ لوگوں سے بھی ارباز کی کامیابی کی داد وصول کر رہی تھی۔ارباز نے اساتذہ کے پاس جا کر کہا یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا۔یہ سُن کر اساتذہ اور ہیڈ ماسٹر نے کہا بیٹا یہ سب آپ کی محنت سے ہوا ہم وسیلہ بنے اور آج پہلی بار ہمارے اسکول کا ڈرامہ دوّم نمبر پر اور بہترین اداکاری کے لیے ہمارے اسکول کا طالب علم اوّل نمبر کے لیے ریاستی طور پر انعام کا مستحق ٹھہرا اس لیے ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ تمھارے داخلہ کے لیے کی گئی بھاگ دوڑ ہمارے لیے فخر کا سبب بنی۔ہر کوئی اسے سراہ رہا تھا۔لڑکے چاروں طرف سے اسے گھیرے کھڑے تھے۔آج ارباز بہت خوش تھا۔آج اُس نے اپنی سب سے بڑی خواہش کو پا لیا تھا۔

اللہ دیکھ رہا ہے

رات کا پہلا پہر چل رہا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ ماں نے زینب کو آواز دی۔ پھر دونوں ماں بیٹی اپنے روزمرہ کے کام میں مشغول ہو گئے۔ دودھ سے بھرے کین زینب ایک طرف رکھنے لگی۔ دیوار کے ساتھ چلتے چلتے ایک بزرگ تھک کر گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ گھر میں چہل پہل کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اُسی وقت گھر میں ہونے والی گفتگو نے اُن کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

ماں: بیٹی دودھ میں پانی ڈالو۔ خالص دودھ نہ رکھو۔

زینب: اماں امیر المومنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے۔

ماں: تو کیا ہوا وہ کہاں آ کر دیکھ رہے ہیں۔

زینب: وہ نہیں دیکھ رہے تو کیا؟ اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

ماں لاجواب ہو کر خاموش ہو جاتی ہے وہیں پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے بزرگ اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ موجود شخص سے اس گھر کی تمام معلومات لانے کے لیے کہہ کر چل دیتے ہیں۔ یہ بزرگ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ ہے جو رات کو گشت لگا کر اپنی رعایا کا حال جانتے تھے۔ لڑکی کا جواب سُن کر اُن کا دل خوشی سے سرشار ہو گیا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا دور اسلامی حکومت کی فتوحات کا تاریخی دور ہے۔ جب ہر طرف انصاف، ایمانداری، اخوت، شجاعت اور خوشحالی کا دور تھا۔ اللہ کا خوف، اسلامی طرز زندگی اور امیر المومنینؓ کا دبدبہ سب پر حاوی تھا۔ دن بہ دن حکومت کی توسیع ہوتی جا رہی تھی اُس قدر

امیر المومنینؓ کی ذمہ داری بھی بڑھتی جارہی تھی انھیں ہر وقت اپنی رعایا کی فکر ہوتی اُن کی بنیادی ضرورتوں کے علاوہ اُن کی روحانی ترقی اور اسلامی سماج کے بقا کی فکر بھی لاحق تھی۔اسی لیے وہ راتوں کو اُٹھ کر گشت لگایا کرتے تھے اور اپنی رعایا کا حال معلوم کیا کرتے تھے۔دوسرے دن اپنے غلام سے ساری معلومات لے کر حضرت عمر فاروقؓ اس عورت کے گھر پہنچ گئے ۔اُس عورت نے جب امیر المومنینؓ کو اپنے گھر دیکھا تو وہ حیرت میں پڑ گئی اور جب امیر المومنینؓ نے رات میں اُن کے گھر میں ہونے والی گفتگو کا حوالہ دیا تو وہ عورت گھبرا گئی خوف سے کہنے لگی امیر المومنینؓ غلطی ہوگئی مجھ سے دوبارہ ایسا کچھ نہیں کہوں گی۔امیر المومنینؓ نے اس سے پوچھا''تمھاری بیٹی شادی کے لائق ہے''عورت نے کہا''ہاں''۔امیر المومنینؓ نے کہا''تم نے اس کا رشتہ کہیں طے کیا ہے''عورت نے کہا''نہیں''۔تب امیر المومنینؓ نے کہا مجھے اپنے گھر کے لیے ایسی ہی ایماندار اور اللہ سے خوف رکھنے والی لڑکی چاہیے۔''پھر آپؓ نے اپنے ساتھ کھڑے لڑکے کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ میرا بیٹا عاصم ہے کیا تم میرے بیٹے سے اپنی بیٹی کا رشتہ کرنا پسند کروگی۔''عورت حیرت سے امیر المومنینؓ کا چہرہ تکنے لگی وہ یہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ اس کی بیٹی کا رشتہ امیر المومنینؓ کے بیٹے سے ہوگا جن کی حکومت آدھی دنیا پر پھیلی ہوئی تھی جن کے نام سے یہودی و عیسائی خوف کھاتے تھے۔عورت کو خاموش دیکھ کر امیر المومنینؓ نے پھر پوچھا''کیا ہوا کیا تمھیں یہ رشتہ منظور نہیں''عورت نے کہا''نہیں امیر المومنین میں تو حیرت میں ہوں کہ میری بیٹی کے لیے آپؓ کے گھر سے رشتہ آیا ہے، یہ میرے خاندان کے لیے بڑی خوش بختی کی بات ہے۔''پھر آپؓ نے زینب کی اور اپنے بیٹے کی رضامندی سے یہ رشتہ طے کیا۔

زینب کی والدہ نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اُن کی سُن کر اُن کی بات پر بیٹی نے عمل نہ کیا ورنہ آج وہ اس قدر عزت افزائی سے محروم ہوتی۔زینب کو ایمانداری اللہ سے محبت و خوف کا کتنا بڑا انعام ملا۔یہ تو اس دنیا کا انعام تھا آخرت میں بھی اللہ کے نیک بندوں کے لیے لاکھوں قسم کی نعمتیں رکھی ہیں جو اللہ کی محبت میں دنیا میں ایمانداری اور اخلاق حسنہ سے پُر زندگی بسر کرتے ہیں۔

پیارے بچّو! اچھی عادتیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں اس کا پھل اس دینا اور آخرت دونوں جہاں میں حاصل ہوتا ہیں۔

ماں کی نصیحت

صبیحہ ایک ذہین لڑکی تھی۔ وہ دو ہی بھائی بہن تھے گھر کی مالی حالت اچھی تھی۔ ابّا کا بزنس تھا۔ اچھی گزر بسر ہو جاتی تھی۔ صبیحہ پڑھائی کے علاوہ اکثر کئی باتوں کو سنجیدگی سے نہیں لیتی تھی۔ اکثر بلا وجہ غیر ضروری بجلی کا استعمال، فون پر دیر تک بات کرنا، چیزوں کو معمولی سمجھ کر پھینک دینا وغیرہ لاپرواہی اس کی عادت بن چکی تھی۔ حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنا اس کا شوق تھا۔ اسی لیے بلا ناغہ ٹیلی ویژن پر خبریں، اپنے پسندیدہ پروگرام، سیریل وغیرہ دلچسپی سے دیکھا کرتی تھی۔

صبیحہ کا روز کا معمول تھا کہ اسکول سے آکر بیگ رکھ کر آرام سے بیٹھنے کے بعد ٹیلی ویژن، لائٹ اور پنکھا لگا کر بیٹھ جاتی، فون پر سہیلیوں سے گپ شپ اور ساتھ ساتھ اپنا ہوم ورک بھی جانچتی رہتی۔ آج بھی وہ ہمیشہ کی طرح اسکول سے آکر صوفے پر بیٹھ گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ امّی جب اُس کے لیے شربت لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو دیکھا ہمیشہ کی طرح وہ پڑھائی کے دوران نیوز سننے میں مشغول ہے۔ امّی نے شربت دیتے ہوئے کہا صبیحہ تمھیں کتنی مرتبہ سمجھایا کہ پڑھتے وقت ٹیلی ویژن بند کر دو اور یہ کیا دِن کے وقت اس قدر روشنی ہونے کے باوجود تم دونوں ٹیوب لائٹ لگا رکھی ہے۔ تم بہت لاپرواہ ہو ایک تو لائٹ بل کی وجہ سے پریشانی ہے اوپر سے لوڈ شیڈنگ نے جان کھا رکھی ہے۔ امّی کی بات سُن کر صبیحہ مسکرا کر شربت پینے لگی۔ شربت پی کر وہ

بولی واہ امّی مزا آ گیا گرمی میں ٹھنڈا شربت بہت اچھا لگا۔امّی نے چڑھ کر کہا اور میری بات کیسی لگی (امّی کی بات پر اُس نے کوئی توجہ نہ دی جبکہ آج اسکول میں بھی بجلی کی اہمیت پر لیکچر سُن کر آئی تھی۔) تم نے جواب نہیں دیا۔صبیحہ ہنس کر کہنے لگی امّی آپ خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں۔ابّو سب بل بھر دیتے ہے نا؟ امّی نے کہا بھر دیتے ہیں اللہ کا شکر ہے مگر خدا نہ کریں کل کو بھرنے کی طاقت نہ رہے تو؟ انسان کو ہمیشہ کفایت شعاری کی عادت ڈالنی چاہیے اور بجلی آج کسی ایک گھر کا مسئلہ نہ رہی یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے۔بے دریغ بجلی کا خرچ کرنا آئندہ کے لیے نقصان وہ ثابت ہو سکتا ہے ہمیں آنے والی نسلوں کا بھی سوچنا چاہیے۔صبیحہ نے ہنس کر کہا آپ بھی نہ امّی کتنی دور کی سوچ رہی ہیں۔ کہہ کر کاپی کھولی اور امّی کی طرف دیکھ کر بولی امّی دو دن بعد میرا تقریری مقابلہ ہے مجھے ہوم ورک کر کے تقریر بھی یاد کرنی ہے۔امّی نے ایک نظر اسے افسوس سے دیکھا اور کمرے کے باہر چلی گئی انھیں گھر کے ابھی کئی کام کرنے تھے دوپہر کے بعد لائٹ بھی چلی جاتی تھی تو شام میں ہی آتی۔صبیحہ لکھنے میں مصروف ہوگئی۔اُس نے سب سے پہلے سائنس کے سوال جواب کرنے شروع کیے۔

معلّمہ نے آج کلاس روم میں ''بجلی کی اہمیت'' پر مبنی سبق سمجھایا تھا کہ توانائی کے روایتی ذرائع اور غیر روایتی ذرائع سے حاصل ہونے والی بجلی کی ہماری زندگی میں بہت اہمیت ہے۔اس کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہمیں اُس کی حفاظت کرنی چاہیے،بے جا بجلی کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے۔جواب لکھتے لکھتے کچھ یاد آنے پر صبیحہ کے لبوں پر مسکراہٹ چھاگئی۔آج کلاس میں عانیہ اساتذہ کے سوال کے جواب میں کیسے بن بن کر بول رہی تھی۔ہمیں چاہیے کہ ہم ضرورت کے وقت ہی بجلی کا استعمال کریں،اسکول ہو یا گھر غیر ضروری لائٹ پنکھے بند کرنے کی عادت ڈالیں،آج کی بچت کل ہمارے کام آئے گی۔اور آپا جان ہمارے گھر انویٹر کا انتظام ہے ہم بہت احتیاط سے اس کا استعمال کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔عانیہ جیسے اسی کے گھر میں ہی انویٹر کا انتظام ہے۔

دوسرے روز کلاس میں سب نے اپنے ہوم ورک پر اساتذہ کے دستخط لیے۔پریڈ ختم ہونے پر معلّمہ کلاس روم سے باہر چلی گئی۔لڑکیوں کی آپس میں بات چیت شروع ہوگئی۔موضوع دوسرے روز ہونے والا مقابلہ تھا۔ ہر ایک بڑھ چڑھ کر اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔اُن کی

اسکول سے تین چار لڑکیوں نے حصّہ لیا تھا۔مگر سب کی نظر عانیہ اور صبیحہ پر تھی۔اکثر مقابلوں میں وہ آول اور دوم ہوتیں۔اُن کی وجہ سے اسکول کا نام روشن ہوتا۔اس بار بھی دونوں نے حصّہ لیا تھا اور آج سب کا موضوع بنی ہوئیں تھیں مگر صبیحہ اِن سب سے بے نیاز اپنے لکھے مضمون کا تنقیدی نظر سے جائزہ لے رہی تھی۔اُس نے سوچ لیا تھا کہ اِس بار بھی تقریری مقابلہ میں عانیہ کو اپنے سے آگے نہیں جانے دے گی اور ہر بار کی طرح اس بار بھی اوّل نمبر آنے کی کوشش میں لگی تھی۔بڑی محنت سے مواد جمع کیا تھا اب صرف یاد رکھنا باقی تھا۔مقابلہ دوسرے دِن ہونا تھا درمیان میں صرف ایک ہی دن تھا مگر صبیحہ کو یقین تھا کہ وہ ایک دن میں یاد کرلے گی۔

صبیحہ گھر آکر معمول کے مطابق لکھتے لکھتے نیوز بھی دیکھ رہی تھی کہ لائٹ چلی گئی۔ٹیلی ویژن کی آواز بند ہوتے ہی اُس نے چونک کر دیکھا وہ بڑبڑائی لائٹ چلی گئی۔اچھا ہے ابّا نے انویٹر (انویٹر کی وجہ سے لائٹ اور پنکھے چلتے رہتے) لگایا ہے ورنہ گرمی سے بُرا حال ہوتا وہ لکھنے میں مگن تھی کہ امّی کی آواز آئی۔امّی کھانے کے لیے بلا رہی تھی۔امّی کی آواز سنتے ہی وہ بغیر لائٹ اور پنکھا بند کیے اُٹھ کر باہر آئی۔امّی نے کہا صبیحہ تم نے اپنا اسکول کا ڈریس استری کیا۔لائٹ چلی گئی ،اب دِن بھر نہیں آئے گی۔صبیحہ نے کہا نہیں امّی میں نے استری نہیں کی۔اب تو ہوم ورک ہوا۔اب تقریر بھی یاد کرنا باقی ہے۔امّی نے کہا میں نے کہا تھا پہلے کپڑے استری کرلو۔بجلی چلی گئی تو نہ جانے رات میں کب آئے،اب بغیر استری کے ہی کپڑے پہن کر جانا کل مقابلہ میں،انویٹر پر تو یہ کام ہونے سے رہا۔صبیحہ نے اپنے چھوٹے بھائی سعد سے کہا کہ وہ دکان سے پریس کر کے لائے۔سعد کہنے لگا باجی کیا آپ کو پتہ نہیں پورے محلّے کی بجلی چلی گئی ہے۔فون کی آواز پر اُس نے فون اُٹھایا اس کی سہیلی شازیہ کا فون تھا۔وہ شازیہ کے ساتھ باتوں میں مگن ہوئی۔امّی کی آواز آرہی تھی وہ اسے کھانے کے لیے بلا رہی تھی مگر باتوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے اس نے توجہ نہ دی پھر سعد نے آکر کہا باجی جلدی چلیے تو وہ بعد میں بات کرتی ہوں کہہ کر کھانا کھانے چلی گئی۔
کھانا کھانے کے بعد چھوٹے بھائی سے گپ شپ کرنے کے بعد وہ واپس آکر اپنا ہوم ورک مکمل کرنے بیٹھ گئی۔عصر کے وقت تک اُس نے اپنا ہوم ورک مکمل کیا پھر نماز پڑھی۔اُس نے سوچا

چائے پی لینے کے بعد وہ تقریر یاد کرنے بیٹھ جائے گی۔ وہ چائے پی ہی رہی تھی کہ انویٹر کے پاور کا ختم ہونے کا اعلان سگنل کی شکل میں بج رہا تھا۔ آواز سنتے ہی امّی فوراً کمرے میں آ کر سب بٹن بند کرنے لگی اور غصّے سے صبیحہ سے کہا ''تمھیں پتہ تھا کہ لائٹ چلی گئی ہے تو صرف پنکھا چلاتی باقی لائٹ بند کر دیتی۔ اب بیٹھو اندھیرے میں'' کہہ کر باہر چلی گئی۔ شام کے سائے بڑھتے جا رہے تھے۔ امّی کی ناراضگی کو جان کر صبیحہ اُن کے پیچھے دوڑی باہر آ گئی اور کہنے لگی امّی ابھی لائٹ آ جائے گی۔ امّی نے کہا'' کیا پتہ کب آئے پاور ہوتا تو میں ایک لائٹ لگائے کچن میں کھانا تو پکا لیتی، مگر تمھاری لاپرواہی کی وجہ سے رات تک چلنے والا پاور اس قدر جلد ختم ہو گیا۔ اب تم تقریر کیسے یاد کرو گی''۔ صبیحہ نے کہا ''امّی فکر نہ کریں، روز چھ بجے تک لائٹ آ جاتی ہے۔'' امّی نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا اور کہا میں کچن میں جا رہی ہوں تم باہر آنگن میں بیٹھ کر پڑھو۔

صبیحہ اپنی تقریر کا صفحہ لیے باہر آ گئی۔ اُس نے ایک بار اور باریک بینی سے تقریر کا مشاہدہ کیا کہ جملہ بندی برابر ہے یا نہیں، موضوع کے مطابق اشعار ہیں یا نہیں، ایک بار اچھے سے پڑھنے کے بعد نظر آسمان پر گئی تو دیکھا سورج کی لالی آخری حد پر تھی شام کے سائے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ اذان کی آواز آ رہی تھی۔ مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے وہ اندر آئی۔

مغرب کی نماز بھی پڑھ لی مگر لائٹ کا کوئی پتہ نہ تھا۔ اب بغیر پنکھے کے چراغ کی روشنی میں پڑھنا اور خاص کر یاد کرنا صبیحہ کے لیے بہت ہی مشکل کام تھا۔ اسے امید تھی کہ بجلی آ جائے گی۔ صبیحہ کی یہ عادت تھی کہ وہ پہلے تقریر یاد کر لیتی پھر کھڑے ہو کر کس طرح سے پڑھنا ہے یہ دو تین بار مشق کرتی ایسا کرنے سے تقریر میں جان پڑ جاتی کہ سامعین بھی پوری توجہ سے اسے سنتے، پریس کیے اسکول کے لباس وہ اچھے سے تیار ہو کر ہمیشہ اسٹیج پر جاتی تھی اب تو کپڑے بھی پریس نہیں تھے۔ اب بجلی کے نہ ہونے سے کم روشنی میں مشق کرنا اسے بڑا مشکل لگ رہا تھا۔ چراغ کے سامنے بیٹھ کر آدھی سے زیادہ تقریر اسے یاد ہو چکی تھی۔ مگر ہر بار کسی بھی جلسہ میں وہ اپنے انداز بیان سے سامعین کو واہ واہ کرنے پر مجبور کرتی تھی وہ اسے اب مشکل لگ رہا تھا۔ بجلی کو نہ آنا تھا وہ نہیں آئی کھانا کھا کر کچھ دیر یاد کرتے بیٹھنے کے بعد وہ کب کا نیند کی وادی میں اتر گئی اسے پتہ بھی نہ چلا۔ صبح کا

اسکول تھا۔ وین آ کر کھڑے ہوئی۔ اب وہ استری بھی نہیں کرسکتی تھی۔

جلدی جلدی اسکول کی تیاری کر کے جب وہ اسکول میں داخل ہوئی تو زور شور سے جلسہ کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ صبیحہ کو دیکھتے ہی اُس کی سہیلیاں اُس کے پاس آئیں اور کہا "تمھاری تیاری تو مکمل ہوگی، عانیہ کی تیاری بھی زوروں پر ہے۔ ہر سال تم ہی اوّل نمبر لیتی ہو چاہے کسی بھی اسکول میں مقابلہ ہو مگر اِس بار تو مقابلہ ہمارے اسکول میں رکھا گیا ہے اسی لیے تمھاری تیاری خاص ہونی چاہیے۔ اسی وقت اس کی سہیلی شازیہ نے کہا صبیحہ تم نے کپڑے پریس نہیں کیے۔ اس کی بات پر سب نے اُس کی طرف دیکھا صبیحہ کو شرمندگی محسوس ہوئی۔ اسی وقت غزالہ نے کہا چلو مس زاہدہ تمھیں ہی پوچھ رہی تھیں۔ غزالہ کی بات سُن کر سب کا دھیان صبیحہ کی طرف سے ہٹ گیا۔ اُس نے اطمینان کی سانس لی ورنہ سب کو اپنی طرف متوجہ پا کر وہ شرمندہ ہورہی تھی۔ سب ہال کی طرف مڑ گئے صبیحہ بھی پریشان سی اُن کے پیچھے چلی۔ زاہدہ مس عانیہ کی تقریر سُن رہی تھیں۔ صبیحہ کو دیکھتے ہی معلّمہ نے کہا "آؤ صبیحہ تمھاری تیاری تو مکمل ہوگی، بین المدارس مقابلہ اس بار ہمارے اسکول میں رکھا گیا ہے، اپنے اسکول سے جن طلبا نے حصّہ لیا اُن میں تم اور عانیہ سے ہی سب کو امید ہے کہ وہ اسکول کو اوّل نمبر کا حقدار بنائیں۔" کہہ کر جب معلّمہ نے اُس کی طرف دیکھا تو انھیں لگا جیسے کچھ تو کمی ہے صبیحہ کی خوش لباسی اسکول میں مشہور تھی اُس نے کبھی بغیر پریس کیے کپڑے نہیں پہنے تھے۔ اُس کی بجھی بجھی صورت دیکھ کر وہ کہنے لگی تمھاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟ صبیحہ نے ہاں میں گردن ہلائی وہ اب بھی کچھ نہ بولی، وہ سب کی باتیں سُن رہی تھی۔

جلسہ شروع ہوا۔ جج حضرات، مہمان، صدرِ جلسہ سب آ گئے تھے۔ دیگر اسکول کے طلبا کی تیاری بھی زوروں پر تھی۔ جب صبیحہ کا نمبر آیا ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔ اساتذہ اور تمام طالبات کو یقین تھا کہ اب وہ محفل پر چھا جائے گی کہ سامعین پہلی تقریروں کو بھول جائیں گے۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ صبیحہ پہلے تو اپنے فراک کی سلوٹیں ہی درست کرتی رہی۔ پھر اُس نے تقریر شروع کی، کچھ یاد تھی کچھ یاد نہ تھی سادہ سے انداز میں پڑھ کر وہ مایوس چہرے کے ساتھ اسٹیج سے نیچے اتر گئی۔ اساتذہ اور لڑکیوں کے چہرے مایوسی سے لٹک گئے۔

صبیحہ کی تقریر کے بعد وہ لڑکیاں جو اکثر اُس کی وجہ سے پہلے نمبر سے محروم ہو جاتیں تھیں اُن

کا جوش دیکھنے لائق تھا۔ پھر عانیہ کا نمبر آیا۔ صبیحہ نے دعا کی کہ عانیہ اچھی سی تقریر کرے اور اسکول کی عزت رہ جائے۔ اُس وقت اسے نیچا دکھانے کی کوئی خواہش اُس کے دل میں نہ تھی۔ اب صرف یہ فکر تھی کہ اُن کا اسکول اوّل نمبر حاصل کر لے۔ عانیہ نے پورے اعتماد کے ساتھ بہت ہی منفرد انداز میں اپنی تقریر شروع کی۔ اُس کا انداز بیان اور لہجہ قابل رشک تھا تمام لڑکیاں اور اساتذہ جو صبیحہ کی وجہ سے ناامید ہوئے تھے اُن کے چہرے ایک بار پھر جگمگا اُٹھے۔ تقریر ختم کر کے تالیوں کی گونج کے ساتھ عانیہ اسٹیج سے اتر کر صبیحہ کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔ صبیحہ نے ہاتھ ملا کر اسے داد دی۔ عانیہ نے کہا دعا کرو کہ اس بار بھی اوّل نمبر کی شیلڈ ہمارے حصّے میں ہی آئے۔

جلسہ کے اختتام پر نتیجہ کا اعلان ہوا۔ اوّل نمبر پر عانیہ تھی۔ دوّم اور سوّم نمبر پر دیگر اسکول کی لڑکیاں تھیں۔ ایک بار پھر عانیہ کی وجہ سے اُن کے اسکول نے اپنا سابقہ ریکارڈ برقرار رکھا۔ سب نے عانیہ کو گھیر لیا۔ صبیحہ بھی وہیں کھڑی تھی۔ زاہدہ مس نے عانیہ کو گلے لگا کر مبارک باد دی پھر صبیحہ کی طرف دیکھ کر کہا صبیحہ مجھے تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔ ایسا پہلی بار ہوا کہ تم اسٹیج پر گھبرا گئیں اور مقابلہ سے ہی باہر ہوئیں، اوّل نمبر تو دور پہلے پانچ میں بھی شامل نہ ہو پائیں۔ (اکثر اوّل دوّم نمبر پر صبیحہ اور عانیہ ہوتے پھر دیگر اسکول کی طالبات کا نمبر ہوتا) صبیحہ نے کہا مس ہمارے یہاں بجلی نہیں تھی۔ جس کی وجہ سے میں تیاری نہ کر سکی۔ صبیحہ کی بات پر عانیہ نے کہا بجلی تو ہمارے یہاں بھی نہیں تھی مگر انویٹر کی وجہ سے میں نے اپنا سب کام وقت پر کیا۔ یہ سُن کر شاذیہ نے کہا صبیحہ تمھارے گھر میں بھی انویٹر کی سہولت ہیں نا پھر تم نے تیاری کیوں مکمل نہ کی، ہم سب کو تم سے بہت امید تھی۔ یہ سُن کر صبیحہ کا سر شرم سے جھک گیا اب وہ سب کو کیا بتاتی کہ اُس کی لاپرواہ طبیعت اور بجلی کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کی عادت کی وجہ سے اُس کا آج کس قدر نقصان ہوا۔ کہاں ہر مقابلہ میں اوّل اور کہاں مقابلہ سے ہی باہر ہونا۔ عانیہ اپنی سہیلیوں سے کہہ رہی تھی کہ ''میرے امّی بجلی کے جاتے ہی مجھے خبردار کر دیتی کہ غیر ضروری سب لائٹ اور پنکھے بند کر دو، اُن کی بات میں فوراً مان لیتی اور اسی دن مس نے ہمیں بجلی کی اہمیت کے بارے میں بتایا تھا۔ کل جب بجلی چلی گئی تو میں نے غیر ضروری سب بٹن بند کر کے ضرورت کے تحت ہی لائٹ کا استعمال کیا۔ جس کی وجہ رات ایک بجے تک مشق کرتی رہی اور دیکھو میری محنت رنگ لائی۔'' یہ سُن

کر صبیحہ کو شرمندگی محسوس ہوئی اُس کی امّی بھی اکثر اسے بجلی کی اہمیت کے بارے میں اور انویٹر کو احتیاط سے استعمال کرنے کی تلقین کرتی مگر وہ ہمیشہ اُن کی بات نظر انداز کر دیتی تھی۔ آج کے نقصان اور بے عزتی نے اسے بجلی کی اہمیت اور لا پرواہی کا انجام اچھے سے بتا دیا تھا۔ وہ اپنے دل میں عہد کر رہی تھی کہ اب وہ بھی اپنی امّی اور استاد کی بات مان کر بجلی اور دیگر اہمیت کی چیزوں کو کفایت شعاری سے استعمال کرے گی۔ اُس کی امّی نے ہمیشہ نصیحت کی مگر اُس نے نہ مانی مگر آج اسے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔

روزہ کیوں نہ رکھا؟

تعطیل ہوتے ہی سب بچے اپنے اپنے ٹیفن لے کر کھانا لینے لائن میں کھڑے ہوئے جلدی جلدی کھانا لے کر میدان میں بیٹھ کر گرم گرم تازہ کھانا کھانے لگے۔ یہ ایک سرکاری اسکول تھا جہاں پر طلبا کے لیے طعام کا انتظام کیا جاتا تھا۔ کھانے کے دوران گفتگو کا موضوع دوسرے دن سے شروع ہونے والے ماہ رمضان کے روزوں کے بارے میں جوش و خروش سے بحث جاری تھی کہ کل سے کون کون روزے رکھے گا۔ اوّل، دوّم اور سوّم جماعتوں میں چھوٹی عمر کے طلبا ہونے کی وجہ سے اکثر روزہ نہیں رکھتے تھے کوئی کوئی والدین شوقیہ کم عمر کے طلبا کو پہلا روزہ رکھواتے تھے۔ اکثر طلبا چہارم جماعت سے روزہ رکھنا شروع کرتے تھے اُن میں آپس میں شرط لگی ہوتی کہ میرے دس ہوئے تمھارے کتنے ہوئے اس طرح ایک دوسرے کی ضد میں بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔

جماعت چہارم کے طلبا کا جوش دیکھنے لائق تھا روزوں کی عادت کے لیے کئی لوگ بچوں کو کم عمر سے ہی روزے کی عادت ڈالتے تھے کہ بڑی عمر میں فرض ہونے کے بعد عادت نہ ہونے کی بنا پر بچہ اس فرض اور اس کے ثواب سے محروم نہ رہے۔ اسلم، پرویز، حبیب اور فرحان بھی ایک دوسرے سے کل کے روزے کے بارے میں دریافت کر رہے تھے کہ کل سب روزہ رکھ کر اسکول آئیں گے۔ وہ چاروں دوست ہر کام میں ایک دوسرے کا مشورہ لیا کرتے تھے روزانہ ایک ساتھ

ہی ٹفن کھاتے، ایک ساتھ کھیلتے اور تعلیمی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔فرحان کچھ بھی کہے بغیر اپنا کھانا کھانے میں ہی مگن تھا۔پرویز نے فرحان سے کہا تم خاموش کیوں ہو کل ہم چاروں دوست روزہ رکھ کر آئیں گے۔فرحان نے پرویز کی طرف دیکھا اور کہا ہاں ۔۔نا۔۔ہاں اسلم نے کہا یہ کیا ہاں نہ لگا رکھا ہے کل ہم سب روزہ رکھیں گے اور پھر تعطیل میں خوب کھیلیں گے۔سب نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر جیسے وعدہ کیا فرحان کا ہاتھ آگے بڑھتا نہ دیکھ کر حسیب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سب کے ہاتھوں پر رکھا۔فرحان نے کچھ نہ کہا صرف خاموش نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھتا رہا۔

دوسرے دن رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہونے کی وجہ سے اسکول میں بھی دعا میں اساتذہ نے روزوں کی اہمیت اُس کے ثواب کے بارے میں بچّوں کو بتایا۔روزے سے ہونے والے طبّی اور روحانی فوائد پر بھی روشنی ڈالی۔جو طلبا پہلا روزہ رکھ کر آئے تھے یہ سُن کر اُن کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگی اور انھیں اپنے اندر ایک نئی قوت کا احساس ہوا۔اساتذہ نے بچّوں کو تاکید کی کہ جو بچے روزے سے ہیں وہ زیادہ کھیل کود میں حصّہ نہ لیں کیونکہ اکثر بچے روزہ ہونے کی بنا پر تعطیل میں کھانا نہ کھانے کی وجہ سے جو وقت بچ جاتا وہ کھیل میں مصروف ہو جاتے۔تعطیل ہوتے ہی جو بچے روزے سے تھے وہ دوستوں کے ساتھ گروپ بنا کر بیٹھ گئے موضوع گفتگو صبح جلد نیند سے جاگنا اور عادت نہ ہونے کی وجہ سے پہلے دن سحری میں کم کھانا تھا سب بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے۔حسیب نے کہا میں نے تو صبح صرف ایک گلاس دودھ اور ساتھ میں ایک سلائس کھایا۔سب اپنی اپنی بات کر رہے تھے مگر فرحان خاموش بیٹھا تھا۔پرویز نے پوچھا فرحان تم نے کیا کھایا۔فرحان نے کہا مجھے صبح صبح کھایا نہیں جاتا صرف تھوڑی روٹی کھالی کہہ کر چپ ہو گیا۔ پہلا دن اچھے سے گزر گیا۔دوسرے دن نئے جوش کے ساتھ بچے اسکول میں آئے تعطیل میں جب سب دوست اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گئے تو اُن میں فرحان نہیں تھا کیونکہ وہ اسکول ہی نہیں آیا تھا۔اسلم نے کہا یہ فرحان آج اسکول کیوں نہیں آیا؟ پرویز نے کہا شاید کل روزہ ہونے سے اُس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی کیونکہ وہ مغرب کی نماز میں بھی مجھے نظر نہیں آیا ورنہ ہم روز مغرب کی نماز میں ملتے ہیں۔حسیب نے کہا اگر کل وہ نہیں آیا تو ہم اُس کے گھر جائیں گے۔دوسرے دن فرحان

اسکول میں آیا مگر پڑھائی کے دوران اُن کی کوئی بات نہ ہوئی تعطیل ہوتے ہی وہ ایک دوسرے سے ملنے کے لیے اپنی مخصوص جگہ پر آگئے مگر فرحان وہاں نہ تھا پرویز نے کہا میں اسے دیکھ کر آتا ہوں کہ وہ کدھر گیا ہے۔ پرویز جب اسے ڈھونڈتا ہوا اُس طرف آیا جہاں بچّے کھانا کھانے کے لیے بیٹھتے ہیں تو اسے بڑی حیرت ہوئی کہ اُن بچّوں میں فرحان بیٹھا جلدی جلدی کھانا کھا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر پرویز دوستوں میں لوٹ آیا۔ اُس نے کسی سے کچھ نہ کہا اسی وقت فرحان بھی سب دوستوں میں آبیٹھا پرویز نے کہا تم کہاں تھے دوست ہم تمھارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ فرحان نے کہا میں کھانا کھا رہا تھا۔ پرویز کو تو یہ بات معلوم تھی مگر اسلم اور حسیب حیرت سے اسے دیکھنے لگے اور کہا کیا تم نے آج روزہ نہیں رکھا؟۔ فرحان نے کہا میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی کمزوری ہو رہی تھی اس لیے نہیں رکھا۔ یہ سُن کر کسی نے کچھ نہیں کہا مگر دل میں وہ سوچتے رہے کہ فرحان تو اُن سب میں روزوں کے معاملہ میں مضبوط تھا۔ اس سے پہلے اُس نے کبھی ایسی کسی کمزوری کا ذکر نہیں کیا۔ کلاس میں دیگر طلبا بھی فرحان سے یہی سوال کر رہے تھے تم نے روزہ کیوں نہیں رکھا؟ کیونکہ وہ سوم جماعت سے روزے رکھ رہا تھا اب نہ رکھنے پر سب کو حیرت ہو رہی تھی۔ رمضان المبارک کا پہلا عشرہ خیریت سے گزرا جن بچّوں کے پورے دس روزے ہوئے وہ بہت خوش تھے کلاس میں معلّمہ طلبا سے دریافت کر رہی تھی کہ کون کون برابر روزے رکھ رہا ہے اور کون سستی کر رہا ہے۔ تب کلاس کے ایک بچّے نے اُٹھ کر معلّمہ سے کہا کہ آپا جان فرحان روزے نہیں رکھتا وہ سوم جماعت کے بچّوں میں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔ فرحان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اسلم نے کہا آپا جان اس کی طبیعت خراب تھی کمزوری ہو رہی تھی اس لیے نہیں رکھا۔ اس پر معلّمہ نے کہا "ہاں جو کوئی کمزوری محسوس کریں وہ روزہ نہ رکھے ابھی تم پر فرض نہیں ہے صرف عادت ڈالنے کے لیے والدین رکھواتے ہیں۔ فرحان شرمندگی محسوس کر رہا تھا اُس نے تشکّر بھری نظروں سے اسلم کی طرف دیکھا مخلص دوست کسی نعمت سے کم نہیں ہوتے۔ دوستوں نے فرحان سے کہا کہ وہ روزہ رکھنے کی کوشش کرے اللہ طاقت دینے والا ہے سب کی بات سُن کر فرحان نے کہا کہ وہ بھی روزہ رکھے گا دوسرے روز والدین اور اساتذہ کی میٹنگ تھی اس لیے معلّمہ نے اعلان کیا کہ کل والدین کی میٹنگ ہے اس لیے سب طلبا اپنے اپنے والدین سے شرکت کی تاکید کریں۔

میٹنگ کے دن فرحان اپنے دوستوں کے ساتھ گھر لوٹ گیا میٹنگ صرف والدین اور اساتذہ کے درمیان تھی۔میٹنگ میں فرحان کی والدہ سے اُس کے تعلیمی ریکارڈ پر بات کرتے ہوئے اساتذہ نے اُس کی صحت کے بارے میں سوال کیا کہ فرحان کو کیا ہوگیا ہے۔آج کل اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، کیا وہ بیمار ہے۔اُس کی امّی نے کہا نہیں وہ ٹھیک ہے۔تب معلّمہ نے کہا کہ پھر وہ روزہ کیوں نہیں رکھ رہا ہے کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے جماعت سوّم میں بھی اُس نے پورے روزے رکھے تھے اُس کو عادت ہے مگر اب کیوں نہیں رکھ رہا ہے۔یہ سُن کر اُس کی امّی خاموش ہوگئی پھر آہستہ آواز میں کہنے لگی استانی صاحبہ میں نے ہی منع کیا تھا جبکہ وہ رکھنے کی ضد کر رہا تھا۔اساتذہ نے حیرت سے دیکھ کر کہا پھر آپ کیوں منع کر رہی ہیں جبکہ وہ بھی رکھنا چاہتا ہے۔اُس کی امّی خاموش کھڑی تھی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔یہ دیکھ کر اساتذہ نے کہا اگر آپ کو یہ سوال ناگوار گزرا ہو تو میں معذرت خواہ ہو۔فرحان کی امّی نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ،فرحان کے والد کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ کئی دنوں سے کام پر نہیں جا رہے ہیں۔گھر میں ہی ہیں۔اُن کے علاج کے لیے دوائی ضروری ہے۔اسی لیے آج کل گھر کی مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے سحری وافطار میں بچّوں کے لیے مناسب غذا کا انتظام کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔بچّے چھوٹے ہیں مناسب غذا نہ ملنے پر دِن بھر روزہ نہیں رکھ سکتے ،اس لیے نہیں رکھا رہی ہوں۔اور اسکول میں کھانا آتا ہے۔کم از کم بچّے ایک وقت تو کھانا پیٹ بھر کر کھا لیتے ہیں۔ایک دو جگہ میں نے درخواست کی ہے۔ایک جگہ کام بن گیا ہے وہاں مجھے ایک اچھے گھر میں پکانے کے لیے بلاوا آیا ہے۔وہاں جاؤں گی اللہ انتظام کرنے والا ہے۔فرحان روزہ رکھے گا۔

یہ سُن کر اساتذہ کے رونگٹے کھڑے ہوئے انھوں نے سوچا یا اللہ ماہ مبارک میں اکثر مسلمانوں کے گھروں میں انواع قسم کے کھانوں سے دسترخوان بھرے ہوتے ہیں اور اِن معصوم بچّوں کے گھر سحری اور افطار کا کوئی انتظام نہیں ہو پا رہا ہے۔اساتذہ نے فرحان کی امّی سے کہا کہ وہ ذرا رک جائے پھر میٹنگ ختم ہوتے ہی انھوں نے دیگر معلّماؤں سے مشورہ کیا کہ اگر ہم سب مل کر فرحان کے گھر ماہ مبارک میں کھانے کا انتظام کریں تو ثواب بھی ملے گا اور بچّے روزے بھی

رکھیں گے۔ پھر سب کی مشترکہ رائے سے یہ طے پایا کہ فرحان کے گھر کم از کم ایک دو ماہ کام آنے والی ضروری اشیا کا انتظام کیا جائے۔ سامان منگوا کر فرحان کی امّی کو بلا کر کہا کہ یہ سامان آپ لے جائیں آپ کے کام آئے گا۔ یہ دیکھ کر فرحان کی امّی کی آنکھیں بھر آئیں انھوں کہا آپ نے کیوں تکلیف کی۔ اساتذہ نے کہا بہن تکلیف کیسی فرحان ایک اچھا طالب علم ہے اور اسے روزے رکھنے کا بہت شوق بھی ہے، اُس کے علاوہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہمارا بھی فرض ہے کہ ضرورت کے وقت اپنوں کے کام آئیں۔ وقت کسی پر بھی خراب آسکتا ہے اور ہمارا مذہب ہمیں مسلم کے علاوہ غیر مسلم سے بھی حسن سلوک کا حکم دیتا ہے تو پھر اس ماہ مبارک میں بچّے کیوں محروم رہیں آپ فرحان سے اس بات کا ذکر بھی نہ کریں اور نہ کسی سے کچھ کہیں تاکہ وہ اپنے دوستوں کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔ فرحان کی امّی نے اساتذہ کا شکریہ ادا کیا اور گھر لوٹ گئی۔ دوسرے دن سے فرحان بھی اپنے دوستوں کے ساتھ روزدار بچّوں میں خوشی خوشی گھوم رہا تھا اُس کا چہرہ روحانی خوشی سے دمک رہا تھا۔ اُس کے سب دوست بھی خوش تھے کہ اُس نے اُن کے ساتھ روزہ رکھا۔

لگن

دوپہر کا وقت تھا۔ چند لڑکیاں گلی میں کھیل رہی تھیں۔ آپس میں گڑیوں کا کھیل کھیلتے کھیلتے اب انھوں نے اسکول اسکول کھیلنے کا طے کیا۔ اُن کی لیڈر رہی روبینہ نے کہا میں اسکول کی ٹیچر ہوں تم میرے پاس پڑھنے آؤ۔ اِس بات پر افروز کا منہ بن گیا اُس نے کہا تم پڑھائی میں کمزور ہو، ہم میں سب سے زیادہ ہوشیار شائستہ ہے۔ اِس لیے وہ ٹیچر بن کر پڑھائے گی۔

یہ سُن کر شائستہ کا چہرہ خوشی سے کِھل اُٹھا۔ اُس نے کہا ہاں میں مس ہوں، تم میرے پاس پڑھنے آؤ۔ سب لڑکیاں تیار ہو گئیں۔ مگر روبینہ کا چہرہ غصّے سے تمتمانے لگا اُس نے کہا ''افروز تم یہ کیا کہہ رہی ہو میری امّی اسکول میں پڑھاتی ہے اِس لیے میں ہی ٹیچر بن کر پڑھاؤ گی اور تم سب میرے پاس پڑھنے آنا اور شائستہ کیوں پڑھائے گی۔

اُس کی امّی تو ہمارے گھر کپڑے برتن دھونے کے لیے آتی ہے اگر وہ ٹیچر ہوئی تو میں نہیں کھیلوں گی۔ روبینہ کی بات سُن کر جہاں افروز کا چہرہ بگڑا وہیں شائستہ کی حالت دیکھنے لائق تھی آنکھوں میں آنسو لیے وہ اپنے گھر کی طرف دوڑ پڑی۔ اُس کے جانے کے بعد افروز نے روبینہ کو دیکھا اور کہا کیوں تم نے یہ بات کہی، کیا ہوا جو اُس کی امّی یہ کام کرتی ہے تم نے بہت بُرا کیا۔ تمھیں تو شائستہ سے کم مارکس ملتے ہیں تم کیا پڑھاؤ گی۔ اب میں بھی تمھارے ساتھ نہیں کھیلوں گی کہہ کر

وہاں سے چلی گئی۔اُس کے ساتھ ہی باقی تمام لڑکیاں بھی کھڑی ہوئیں اور روبینہ سے کہا کہ اگر تم پڑھاؤ گی تو ہم بھی نہیں کھیلیں گے۔ کہہ کر اپنے اپنے گھر کی طرف چل دیں۔ یہ دیکھ کر روبینہ کو بہت غصہ آیا اُس نے سوچا جاؤ مت کھیلو میں نے کوئی جھوٹ نہ بولا سچ ہی اُس کی امّی ہمارے یہاں کام کرتی ہےاور میری امّی ٹیچر ہے یہ سوچتے ہوئے وہ بھی اپنے گھر کی طرف چل دی۔

شائستہ گھر آکر زاروقطار رو رہی تھی ۔اُس کی ماں نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور گھبرا کر کہا کیا ہوا شائستہ کھیل کھیل میں گر تو نہیں گئی۔آنسو صاف کرتے ہوئے شائستہ نے کہا نہیں امّی میں کہیں نہیں گری۔ ماں نے کہا پھر کیا ہوا کیا کسی کے ساتھ لڑائی ہوئی، چلو اب کھیل بہت ہوا، تھوڑا آرام کرلو پھر اسکول کی پڑھائی کرنا میں سامنے استانی کے یہاں کام پر جارہی ہوں۔ یہ سُن کر شائستہ تڑپ کر کھڑی ہوئی اور کہا امّی آپ وہاں نہیں جاؤ وہاں کام مت کرنا۔ یہ سُن کر ماں نے کہا یہ تم کیا کہہ رہی ہو میں تو روز جاتی ہوں پھر آج کیوں نہ جاؤں۔شائستہ نے روتے ہوئے تمام واقعہ سُنایا۔

سب سُن کر اُس کی ماں نے کہا بیٹا محنت کرنا کوئی جرم نہیں ہے، وہ ابھی بچّی ہے یہ بات نہیں سمجھتی اور ضروری نہیں کہ استاد کے بچّے استاد ہی بنیں سُنو جو محنت کرتا ہے وہ پھل ضرور پاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا ہے، میں پڑھ لکھ نہ سکی اِس لیے آج ضرورت پڑنے پر یہ کام بھی کررہی ہوں مگر تم محنت کرکے پڑھ لکھ کر خوب نام کمانا۔ یہ سُن کر شائستہ نے آنسو صاف کیےاور امّی کا ہاتھ پکڑ کر کہا ہاں امّی میں بہت پڑھائی کروں گی اور بڑی بن کر اسکول میں پڑھانے جاؤں گی پھر آپ یہ کام نہیں کرنا۔ ماں نے ہنس کر کہا اچھا میری لاڈلی یہ سب کرنا پہلے مجھے جانے دو۔ کہہ کر چلی گئی۔

شائستہ کے ابّا سبزی فروش تھے۔ بڑے بازار سے سبزی لاکر فروخت کرتے تھے۔ بہت ہی معمولی آمدنی تھی جس سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے۔کھانے پینے کے علاوہ اُس کے والدین چاہتے تھے کہ بچّوں کو اچھی تعلیم بھی دیں۔اس کی امّی محنتی عورت تھی۔استانی کے گھر جب انھیں پکانے، کپڑے دھونے وغیرہ کے کام کے لیے کہا گیا۔آمدنی اچھی تھی تو وہ فوراً مان گئی۔ گھر میں پانچ لوگ تھے شائستہ، چھوٹی بہن نازاور اس سے چھوٹا بھائی اطہر وہ بھی اسکول میں جاتے تھے۔سب کے لیے کھانے پینے کے علاوہ تعلیم پر بھی خرچ کرنا پڑتا تھا۔اسی لیے شائستہ کی امّی بھی

کام کرتی تھی وہ ان پڑھ تھی۔ والد نے صرف سات جماعتیں پاس کی تھی۔ اب اس قدر معمولی پڑھائی کے ساتھ وہ کہیں مناسب جگہ کام کرنے سے رہے، اسی لیے شائستہ کے والدین نہیں چاہتے تھے کہ اُن کے بچے بھی تعلیم سے محروم رہیں۔ وہ دونوں مل کر محنت کر رہے تھے۔

اس واقعہ کے بعد شائستہ نے اپنے آپ سے ایک عہد کیا کہ وہ خوب محنت کرے گی اور پڑھ لکھ کر استاد ہی بنے گی اور پھر روبینہ کو بتائے گی کہ وہ بھی ٹیچر بن سکتی ہے اُس وقت اُس کے معصوم ذہن میں یہی بات تھی اب پڑھائی ہی اُس کی ساتھی تھی بہت ہی لگن سے اُس نے اپنی پڑھائی جاری رکھی۔

شائستہ پہلے سے ہی ہوشیار تھی اساتذہ کی لاڈلی مگر اب تو جیسے اُسے پہلے نمبر کی ضد سی ہو گئی تھی۔ پہلے جو کبھی کبھار اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کی خواہش ہوتی تھی۔ وہ بھی اب جیسے نہیں رہی۔ اب وہ اپنے پاس آئے پیسے جو امّی، نانی اور کبھی اچھا دھندا ہونے پر ابّا دیتے تھے یہ پیسے وہ رنگ برنگی ربن، تو کبھی دوسری لڑکیوں کی طرح کھانے میں صرف کرتی تھی اُس نے اب یہی 5,10 روپے جمع کرنے شروع کیے۔ جب بھی اسکول کی کوئی ضرورت ہوتی اور امّی کے پاس پیسے نہیں ہوتے تب وہ یہ پیسے خرچ کرتی مگر اسکول کے کسی بھی پروگرام یا کوئی تعلیمی مقابلہ میں پیچھے نہیں رہتی۔ اُس کی لگن کو دیکھتے ہوئے اساتذہ بھی اُس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

افروز اب شائستہ کی گہری سہیلی بن گئی تھی۔ اپنے سہیلی کی لگن اُس کا بھی حوصلہ بڑھاتی، وہ بھی اب دل لگا کر پڑھ رہی تھی۔ بڑے فخر سے وہ شائستہ کی تعلیمی قابلیت کے چرچے سرِ عام کرتی خاص کر روبینہ کے سامنے، مگر شائستہ اُسے ایسا کرنے سے منع کر دیتی اُس کا خیال تھا کہ روبینہ کی بات نے ہی اُس کے اندر سوئے ہوئے احساس کو جگایا ہے اُس کے دل میں روبینہ کے لیے کوئی منفی سوچ نہیں تھی۔ اُسے صرف اب اپنی پڑھائی سے مطلب تھا۔ ہر سال اوّل نمبر آنے پر اُسے انعام ملتا اساتذہ بھی خوش ہو کر انعام سے نوازتے چھوٹی بڑی انعام کی ہر رقم وہ جمع کر کے رکھتی اُس نے اپنی تعلیمی خواہش کے علاوہ کسی بھی خواہش پر خرچ نہ کیا اور نہ کبھی امّی سے کسی بات کی ضد کی۔

شائستہ کی امّی بھی اُس سے کہتی شائستہ تم بہت بدل گئی ہو، پڑھائی کو اس قدر بھی سر پر سوار نہیں کرتے، اب تم کوئی فرمائش بھی نہیں کرتی نہ اچھے کپڑوں کی ضد کرتی ہو، نہ اچھے کھانوں کی

فرمائش، روبینہ کی بات کوتم نے دل سے لگالیا۔ یہ سب سُن کر شائستہ نے کہا امی آپ بھی افروز کی طرح یہ سمجھ رہی ہیں کہ روبینہ کی بات کا بُرا مان کر میں اُس کے ضد میں پڑھ رہی ہوں مگر ایسا نہیں ہے پہلے پہل مجھے یہی خیال آیا مگر بعد میں، میں نے سوچا کہ کسی کے لیے میں کیوں سب کروں۔

اللہ تعالٰی نے مجھے اچھا ذہن دیا اور پڑھائی کا شوق تو مجھے پہلے سے ہی ہے تو کیوں نہ پھر میں اپنی صلاحیت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنا مقصد پورا کروں اور اپنے حالات بدل دوں اور آپ نے ہی کہا نہ کہ اگر ہم محنت کریں تو اور ہمارے جذبے مخلص ہوں تو اللہ تعالٰی بھی اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ شائستہ کی بات پر امّی نے اسے گلے سے لگایا اور کہا اللہ تمھیں کامیاب کریں تمھاری لگن تمھیں منزل تک پہنچائے۔ دونوں ماں بیٹی نے ایک ساتھ کہا ''آمین''۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ کل کے چھوٹے بچے جو پرائمری میں پڑھتے تھے آج ہائی اسکول میں پڑھ رہے تھے۔ یہ سال اُن کے اسکول کا آخری سال تھا وہ دسویں جماعت کے طالب علم تھے تمام اساتذہ نے شائستہ سے بہت امید لگا رکھی تھی کہ وہ ٹاپ کرے گی۔ دیگر لڑکیوں کی تیاری بھی زوروں پر تھی روبینہ اور اُس کے گروپ کی لڑکیوں نے شہر کی بہترین اکیڈمی جوائن کی تھی۔ شائستہ نے ٹیوشن نہیں لگائی تھی اس کی امّی کہیں نہ کہیں سے فیس کا انتظام کرنے کے لیے تیار بھی تھی شائستہ کی جمع پونجی بھی تھی مگر اُس نے ٹیوشن کے لیے منع کیا اسکول میں اساتذہ اچھی تیاری کروا رہے تھے۔ شائستہ نے ٹیوشن نہیں لگائی۔ اُس نے سوچا زیادہ پیسے لگیں گے۔ اسکول میں اچھے سے تیاری کی جا رہی تھی۔

وہ ذہین تھی اسی لیے اساتذہ اُس پر خاص توجہ دے رہے تھے۔ افروز نے بھی اپنی امّی کے زور دینے پر بھی ٹیوشن کلاس نہیں لی وہ شائستہ کے ساتھ مل کر پڑھائی کرتی تھی۔ اسکول میں ہونے والی پڑھائی سے وہ دونوں فائدہ اُٹھا رہی تھیں۔ گھر آ کر بھی شائستہ کا زیادہ سے زیادہ وقت پڑھائی میں ہی گزرتا تھا۔

شائستہ کی محنت و لگن کو دیکھتے ہوئے اُس کی امّی اس کو گھر کا کوئی کام کرنے کے لیے نہیں کہتی وقت پر اُس کے کھانے پینے کا خیال رکھتی تھی۔ امتحان شروع ہوئے تو لانے لے جانے کی ذمہ داری اُس کے ابّا نے اپنے ذمّہ لے لی۔ آخر کار امتحان ختم ہوئے تو جیسے سب نے سکون کی سانس لی مگر شائستہ کو سکون کہاں اُس نے اپنے تمام سوالات کے پیپر جمع کر کے رکھے تھے وہ سب

نکال کر اچھی طرح جانچ لیے کہ سب اچھے سے لکھا تھا یا نہیں، اسے ہر وقت نتیجہ کا انتظار رہتا۔ افروز کے ساتھ اُس نے اپنی جمع پونجی سے گھر کے نزدیک ہی کمپیوٹر کلاس میں داخلہ لیا۔ شائستہ اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے ہر وقت کچھ نہ کچھ سیکھنا چاہتی تھی۔ وہ اور افروز مل کر روز جاتے بشوق سے سیکھتے اور مستقبل کے خواب سجاتے کہ وہ دونوں کس کالج میں جائیں گے۔ ایک ساتھ ہی داخلہ لیں گے ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور کون کون سے مضامین پڑھیں گے وغیرہ وغیرہ۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس کا وہ لوگ بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ انٹرنیٹ پر پہلے ہی سے نتائج آنے والے تھے۔ شائستہ کے گھر کمپیوٹر یا نیٹ وغیرہ کوئی انتظام نہ تھا۔ وہ افروز کی راہ تک رہی تھی کہ دونوں ساتھ جا کر دیکھ آئیں گے۔ دروازے پر آہٹ ہوتے ہی وہ اُٹھ کر کھڑی ہوئی کہ افروز ہوگی تو فوراً وہ دونوں چلی جائیں گی مگر وہاں افروز نہ تھی روبینہ، اُس کی امّی (شاذیہ مس) اور شائستہ کی کلاس ٹیچر صالحہ مس کھڑی تھیں۔

روبینہ کی امّی کے ہاتھوں میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ شائستہ نے اُن کے ہاتھوں کی طرف دیکھا اور سوچا کہ شاید روبینہ کے رزلٹ کا پتہ چل گیا اسی لیے یہ لوگ مٹھائی دینے آئے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اُن سے کچھ کہتی یا اندر آ کر بیٹھنے کو کہتی وہ خود اُس کی طرف آ گئیں ایک طرف سے صالحہ مس تو دوسری طرف سے شاذیہ مس نے تھام کر ایک ساتھ گلے لگایا اور مبارک باد دی وہ چونک کر انھیں دیکھنے لگی اُس نے کہا مس میں نے ابھی تک انٹرنیٹ پر رزلٹ نہیں دیکھا۔ اُس کی بات سُن کر روبینہ آگے بڑھی اُس نے کہا شائستہ ہم نے دیکھا جب میرا نمبر دیکھ رہے تھے تب مجھے اپنے نمبر سے پہلے تمھارا رزلٹ دیکھنے کی جلدی تھی۔ مجھے تمھارا نمبر یاد تھا اُس کی بات جاری تھی کہ دھڑا کے کی آواز کے ساتھ دروازہ دھکیل کر افروز دوڑتے ہوئے اندر داخل ہوئی اُس کے ہاتھوں میں پھولوں کا ہار تھا جو اُس نے اپنی پیاری سہیلی کے گلے میں ڈال دیا اور اُس سے لپٹ کر چیخ پڑی شائستہ تمھارے 96% آئے ہیں تم ہمارے بورڈ میں اوّل آئی ہو۔

شائستہ حیرت سے الگ کھڑی تھی اسے امید تو تھی کہ اس کے نمبر اچھے آئیں گے مگر "بورڈ میں اوّل" اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل پڑے۔ صالحہ مس نے کہا دیکھو سب سے پہلے تم نے یہ خبر اپنی سہیلی سے سنی جبکہ پہلے ہم آئے تھے تمھیں گلے لگانے کے لیے کہتے ہوئے اُس کے آنسو

صاف کیے اور کہا تم نے نہ صرف اپنا اپنے خاندان کا بلکہ اپنے اسکول کا نام بھی روشن کر دیا ہمیں تم پر فخر ہے کہہ کر شائستہ کی امّی کو بھی گلے سے لگایا جن کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے اُن کی شائستہ نے کتنا مشکل وقت گزارا تھا ہر خوشی اور خواہش اپنے اوپر حرام کر لی تھی کہ پڑھائی بس پڑھائی۔

روبینہ کی امّی نے شائستہ کی امّی کو گلے لگا کر کہا دیکھو تمھاری بیٹی کی محنت رنگ لائی اب آنسو صاف کرو۔ روبینہ نے بھی آگے بڑھ کر شائستہ کو گلے لگایا اور کہا شائستہ مجھے معاف کرو میری سوچ غلط تھی، اب تو تم بھی ٹیچر بن سکتی ہو۔

صالحہ مس نے شائستہ کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا" ذہانت کسی کی میراث نہیں ہوتی تمھاری لگن و محنت نے تمھیں یہاں تک پہنچایا ہے اب ٹیچر تو کیا تم سائنس لے کر ڈاکٹر بھی بن سکتی ہو کیونکہ تم میں کچھ بننے کی لگن موجود ہے۔ اُن کی بات پر افروز نے خوش ہو کر اپنی سہیلی کی جانب دیکھا شائستہ نے بھی اُس کی جانب دیکھا، پھر دونوں نے ایک ساتھ انشاءاللہ کہا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ایک عہد کیا۔

شائستہ نے کہا افروز تم کو کتنے پرسنٹ ملے۔ پھر روبینہ کی طرف دیکھ کر بولی تمھارا رزلٹ تو بتاؤ۔ روبینہ نے کہا مجھے 65% ملے افروز نے کہا اور مجھے 70% ملے وہ بھی بغیر ٹیوشن کے جس میں تمھاری محنت بھی شامل ہے۔

شائستہ کے ابا ہاتھوں میں سامان کی تھیلی لیے آئے وہ مہمانوں کو اپنے گھر دیکھ کر خوش خبری سُن کر بازار گئے تھے۔ شائستہ اور افروز نے جلدی جلدی چیزیں نکالیں زبردستی اساتذہ اور روبینہ کو بیٹھایا اُن کی خاطر تواضع کرنے لگیں جب تک شائستہ کی امّی نے چائے بنائی سب نے خوشی خوشی اُن کے یہاں شائستہ کی خوشی منائی۔

صالحہ مس نے جاتے جاتے کہا شائستہ ابھی تمھیں بہت سے انعام ملیں گے اسکول کی طرف سے بورڈ کی طرف سے یہ تمھاری کامیابی کی ابتدا ہے آگے بھی تمھیں ایسے ہی آگے بڑھنا ہے اس لیے اپنی لگن کو برقرار رکھتے ہوئے آگے بڑھو ہم سب کی دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔

شائستہ نے اپنے استاد کی نصیحت کو جیسے پلو سے باندھ لیا۔ اسے اور آگے بڑھنا تھا یہ تو اس کی ابتدا تھی اور آج کا دن اُس کی زندگی کا سب سے بہترین دن تھا۔ آج کی کامیابی سے اس کے مستقبل کی خوش حالی جڑی تھی۔

روٹی کا ٹکڑا

اسکول سے آ کر فرحین نے امّی کو سلام کیا۔ امّی کچن میں کام کر رہی تھی۔ فرحین نے کہا امّی میں بہت خوش ہوں۔ اگلے ہفتے ہماری پکنیک جا رہی ہے۔ مجھے آج انگریزی کے ٹیسٹ میں سب سے زیادہ مارکس ملے۔ امّی نے کہا واہ! اسی خوشی میں تمھاری پسند کی کھیر بناتی ہوں۔ فرحین نے خوشی سے کہا پھر تو مزا آئے گا۔ کہہ کر اپنا ٹفن باکس ٹیبل پر رکھا۔ امّی نے ٹفن کھول کر دیکھا اور کہا فرحین یہ کیا ہے، تم نے آج بھی ڈبہ صاف کر کے نہیں کھایا؟ وہ بولی امّی وقت نہیں تھا، تھوڑا سا تو روٹی کا ٹکڑا ہے۔ امّی نے غصہ ہو کر کہا روز تمھارا یہی بہانا ہوتا ہے روز کچھ نہ کچھ بچ جاتا ہے جو ضائع ہو جاتا ہے۔ جس سے کسی کی بھوک مٹ سکتی ہے۔ فرحین کا منہ پھول گیا وہ آج بھی نہ امّی کہتی ہوئی کچن سے باہر آ گئی۔

فرحین ایک ذہین اور ہوشیار لڑکی تھی پڑھائی میں، اسکول کے ہر کام میں آگے رہتی۔ مگر کھانے پینے کے معاملے میں تھوڑی سی لا پرواہی تھی۔ اکثر ڈبہ میں کچھ نہ کچھ بچا لاتی، اکثر رات میں امّی جب اسے کہتی کہ برتن دھونے کے لیے جمع کرنے سے پہلے اُن میں سے سبزی، چاول اور روٹی وغیرہ جو بھی بچا ہو وہ نکال کر رکھ دو۔ تب اسے بہت ہی چڑ ہوتی کہ اس قدر تھوڑی چیز کو کیا رکھنا۔ امّی اس کی ان باتوں کی وجہ سے نالاں رہتی مگر اُس پر کوئی اثر نہیں۔

امّی کے غصہ ہونے پر فرحین خاموشی سے صوفہ پر بیٹھی تھی اسی وقت اس کا بھائی زین اندر آیا اور اُس نے کہا کیا ہوا آپی ایسی کیوں بیٹھی ہو آپ تو بہت خوشی خوشی گھر آئیں تھیں کہ آج آپ کو انگریزی میں سب سے زیادہ مارکس ملے۔ اُس کی بات سُن کر فرحین نے کہا "امّی کی باتوں سے میری خوشی ضائع ہوئی، اُف ہر وقت نصیحت" زین نے درمیان میں ہی کہا اچھا تو آج بھی ٹفن میں کھانا تھا۔ آپ بھی کیوں صاف کر کے نہیں کھاتی، یا کسی کو دے دیا کرو۔ زین کی بات پر فرحین نے سوچا ہاں جیسے اس سے کسی کا پیٹ بھر ہی جائے گا۔ اسی وقت باہر سے مانگنے والی کی آواز آتی ہے۔ اللہ کے نام پر "روٹی کا ٹکڑا دے دو" امّی نے فرحین کو آواز دی۔ فرحین نے امّی سے پلاسٹک کا ڈبہ لیا اور باہر کھڑی عورت کو دے دیا۔ عورت ڈبہ لے کر بولی "مالک بھلا کریں، غریب کی بھوک مٹائی۔" یہ سُن کر فرحین نے کہا یہ لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں، اب بھلا اس قدر کھانے سے کسی کی بھوک مٹ سکتی ہے کیا؟ بس خوش کرنے کے لیے کہتے ہیں۔

بڑبڑاتی ہوئی وہ اندر آئی۔ امّی نے اس کی بات سُن لی انھوں نے کہا تھوڑا تھوڑا کر کے دو چار گھروں سے جو مل جاتا ہے اُس سے اُن کے بچّوں کی بھوک مٹ جاتی ہے تم کیا جانو، روز اس قدر ضائع کر دیتی ہو۔ وہ روہانسی ہو کر بولی امّی آپ تو ایک ہی بات کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ امّی نے کہا بیٹی میں تمھیں سمجھا رہی ہوں اناج کی قدر کرنا سیکھو۔ اس منہ توڑ مہنگائی میں مشکل سے خرچ پورے ہوتے ہیں۔ فرحین نے کہا اچھا امّی آئندہ خیال رکھوں گی۔

دوپہر میں فرحین اور زین ٹیلی ویژن دیکھ رہے تھے۔ نیوز میں ایک گاؤں کا سین دکھایا جا رہا تھا۔ جہاں قحط کی وجہ سے لوگ پانی اور کھانے کے لیے ترس رہے تھے۔ جب بھی کوئی امدادی گاڑی اور پانی کا ٹینکر آتا لوگ دیوانوں کی طرح اُس پر ٹوٹ پڑتے، ایک چھوٹی سی لڑکی جو بھوک سے بے حال ہے وہ اپنی بھوک مٹانے کے لیے کتے کی چھوڑی روٹی کا ٹکڑا اُٹھا کر کھا رہی تھی۔ بار بار یہی سین دہرایا جا رہا تھا۔ فرحین غور سے دیکھ رہی تھی۔ زین نے اُس کی طرف دیکھا اور کہا کل سے نیوز پر بتایا جا رہا ہے کہ پانی اور کھانے کی کمی کی وجہ سے انسان جانور کی طرح جی رہے ہیں۔ فرحین نے افسوس سے کہا اللہ رحم کریں، مگر ہمارا میڈیا بھی ایک ہی سین کو بار بار دہرا کر لوگوں کو اور گھبرا دیتا ہے۔

شام میں ابّو کے آتے ہی فرحین نے اپنے ٹیسٹ کا بتایا۔ خوش ہو کر ابّو نے اسے پچاس روپے

انعام میں دیے۔ یہ دیکھ کر زین نے کہا مجھے بھی چاہیے۔ ابّو نے کہا جب تم بھی پورے پورے مارکس لاؤ گے تب تم کو بھی دوں گا۔ کھانا کھانے کے بعد امّی نے زین سے کہا اب ٹیلی ویژن بند کرو صبح جلدی اُٹھنا ہے، فجر کی نماز پڑھ کر تمھیں اسکول کی تیاری کرنی ہوتی ہے تمھاری اسکول وین جلدی آجاتی ہے۔ امّی کی بات سُن کر زین سونے کے لیے چلا گیا۔ فرحین بھی اپنا بیگ وغیرہ سب اہتمام سے رکھنے لگی رات میں ہی وہ اپنی سب تیاری مکمل کر لیتی تھی تا کہ صبح پریشانی نہ ہو۔

صبح اسکول میں پہنچتے ہی اساتذہ نے اچانک سائنس ٹیسٹ لینے کی ٹھانی کہ دیکھیں طلبا کتنا یاد رکھتے ہیں۔ فرحین کو سب یاد تھا اُس کی عادت تھی کہ ہوم ورک کرتے ہوئے وہ لکھتے لکھتے پڑھتے بھی رہتی تھی۔ اُس کا ٹیسٹ اچھا ہوا۔ اساتذہ نے اسی وقت جانچ کر مارکس بتائے فرحین کو سب سے زیادہ مارکس ملے تھے۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ تعطیل ہوتے ہی سب کھانے کے لیے چلے گئے۔ تعطیل کے بعد حساب کا پریڈ تھا۔ تعطیل ختم ہوتے ہی سب کلاس روم کی طرف چلے گئے۔ فرحین نے بھی اپنا ڈبّہ بند کیا اور کھڑے ہوئی۔ آج کا دِن اُس کے لیے بہت اچھا ثابت ہوا تھا۔ حساب کے ٹیسٹ میں بھی اُسے سب سے نمایاں نمبر ملے تھے۔

اسکول سے نکلتے وقت وہ باہر کی طرف آرہی تھی تب اُس کی سہیلی نے کہا فرحین کل تمھیں اچھے مارکس ملنے پر انعام ملا تھا۔ آج تو دونوں مضمون میں تمھیں سب سے زیادہ نمبر ملے ہیں۔ تمھارے امّی ابا بہت خوش ہوں گے نا؟ فرحین نے کہا ہاں بہت خوش ہوں گے کل امّی نے میرے پسند کی کھیر بنائی تھی۔ (اسی کے ساتھ اسے یاد آیا کہ ڈبّہ میں بچا کھانا دیکھ کر امّی ناراض ہوتی ہے) اُس نے اپنی سہیلی افشاں سے کہا تم آگے چلو میں ابھی آتی ہوں۔ کہہ کر اسکول گیٹ کے ایک طرف جا کر کھڑی ہوئی پھر جلدی سے بیگ میں سے اپنا ڈبّہ نکالا اور ایک طرف جھٹک دیا ڈبّہ بند کر کے وہ وین میں آکر بیٹھ گئی۔ اور دو چار لڑکیاں آنا باقی تھیں۔ وین والا باہر کھڑا تھا۔ فرحین نے دیکھا کہ جہاں اُس نے ڈبّہ خالی کیا تھا وہاں ایک کتا کھڑا روٹی کھا رہا تھا۔ اُس نے سوچا اچھا ہے کسی کے کام آرہا ہے۔ افشاں نے کہا تم کہاں گئی تھیں۔ فرحین نے کہا کہیں نہیں میں تو یہاں آگئی کہہ کر خاموش بیٹھ گئی اب وہ افشاں کو کیا بتاتی کہ اپنا ڈبّہ خالی کرنے گئی تھی

گھر آکر اُس نے خوشی خوشی اپنے مارکس بتائے۔ امّی ابّو سے بہت شاباشی ملی۔ فرحین نے

ابّا سے کہا" لو پرسوں میری پکنک جارہی ہے۔ مجھے یہ چیزیں لانی ہے کہہ کر ابّو کے ہاتھ میں ایک لیسٹ تھمادی۔ زین نے کہا اتنی لمبی لسٹ، جب میری پکنک گئی تھی تب جو چیزیں لائی تھیں آپ نے وہی لے آؤ۔ فرحین نے کہا نہیں مجھے وہ چیزیں نہیں چاہیے۔ آپ یہ سب لے آؤ۔ یہ سُن کر امّی کہنے لگی کیا تم سب کھالوگی؟ یا پہلے کیسے پکنک سے سب بچا کر لے آئی تھی، اسی طرح ضائع کروگی۔ زین بھی کہنے لگا ہاں ابّو باجی آدھے سے زیادہ ڈبّہ روز ویسے ہی جھوٹا واپس لاتی ہے۔ فرحین نے کہا نہیں آج میں نے ڈبّہ صاف کیا تھا۔ ابّو جو سب کی سُن رہے تھے کہنے لگے۔ میری بیٹی نے جو فرمائش کی ہے وہ پوری ہوگی۔ پھر فرحین سے کہنے لگے تم بھی بیٹا سب کھاؤ، اپنی سہیلیوں کو دو، چیزوں کو ضائع مت کرو۔ فرحین نے جی ابّو کہہ کر گردن ہلا دی۔

پکنک کے دن فرحین خوشی خوشی تیاری کررہی تھی۔ بیگ میں کھانے کا ڈبّہ، پینے کے لیے ٹھنڈی بوتل، اسنیک جس میں چار پانچ نمکین پیکیٹ تھے۔ اُس نے ایک بیگ میں تمام چیزیں رکھ دی۔ مقررہ وقت پر تمام طالبات حاضر تھیں۔ بس آنے پر سب اپنی اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اساتذہ آگے کی طرف بیٹھے تھیں۔ انھوں نے پکنک کے دن لڑکیوں کو کوئی روک ٹوک نہ کرتے ہوئے آزادی کے ساتھ خوشیاں منانے کی اجازت دے رکھی تھیں۔ ہنستے کھیلتے سب مقررہ جگہ پر پہنچ گئے۔ صبح کا نظارا بہت ہی دلفریب تھا۔ ہر طرف چھائی ہریالی، خوش رنگ پھول، اونچے نیچے پہاڑوں کے سلسلے اور ٹھنڈا موسم بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔ اساتذہ اور طالبات سب مزے لے رہے تھے۔ تصویریں نکالی جارہی تھیں۔ پھر کھانے کے وقت فرحین اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔

سب نے اپنے اپنے ڈبّے اور پانی پینے کی بوتلیں بھی نکالیں۔ فرحین نے اپنی بوتل اپنے پاس رکھی۔ اسے کھانا کھاتے وقت بار بار پانی پینے کی عادت تھی۔ سب آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اپنی اپنی چیزیں تقسیم کررہے تھے۔ سارہ نے فرحین سے کہا تم نے بہت زیادہ چپس کے پیکیٹ لائے۔ فرحین نے کہا ہم سب مل کر کھائیں گے۔ اسنیک اور ٹھنڈا پینے سے فرحین سے ڈبّہ زیادہ کھایا نہ گیا۔ اُس نے ویسے ہی رکھ دیا۔ کھانے کے بعد سب گروپ کی شکل میں باغیچہ گھومنے نکلے۔ تمام دن ہنستے کھیلتے بیتا لڑکیوں نے بہت اچھا وقت گزارا۔ پانچ بجتے ہی اساتذہ نے سب کو ایک جگہ جمع کیا۔ لڑکیوں نے وہاں سے خریداری بھی کیں تھیں۔ سب اپنے اپنے بیگ باندھنے

لگے۔اپنا بچا ڈبہ دیکھ کر فرحین کو امّی کا ڈانٹنا یاد آیا اُس نے سوچا گھر جا کر سارا مزا کر کرا نہ ہو جائے یہ سوچ کر اُس نے ایک درخت کے نیچے جا کر اپنا ڈبہ خالی کر دیا۔

چپس کے پیکیٹ بس میں کھانے کے کام آئیں گے یہ سوچ کر رکھ دیے۔سب لڑکیاں بس میں بیٹھ گیں۔ چند لڑکیاں ہی نیچے تھیں۔جن کے انتظار میں بس رکی تھی۔فرحین کھڑکی میں سے باہر کے نظارے دیکھنے میں محو تھی۔اُس کی نظریں اُس درخت کے پاس جا کر رک گئیں۔جہاں اُس نے ڈبہ کا کھانا پھینک دیا تھا۔وہاں ایک کتا کھڑا کھا رہا تھا پھر وہ چلا گیا اور ایک ساتھ آٹھ سال کا لڑکا آیا وہ روٹی کو دیکھ رہا تھا جو کتے نے چھوڑ دی تھی۔تھوڑی دیر دیکھنے کے بعد وہ لڑکا نیچے جھکا پھر اُس نے وہ کھانا شروع کیا۔افشاں جو فرحین کے ساتھ ہی بیٹھی تھی اور اُس نے بھی لڑکے کو نیچے کا کھاتے دیکھا۔وہ بولی فرحین دیکھو نا وہ کس قدر بھوکا ہے۔کتے کا جھوٹا اور مٹی لگا کھا رہا ہے،کسی نے پھینک دیا اگر رکھ کر اسے کھانے دیتے تو وہ اچھا کھانا کھا لیتا۔یہ سُن کر فرحین کے دِل کو کچھ ہوا۔اُس نے اپنا بیگ کھول کر چند چپس کے پیکیٹ نکالے اور اُس لڑکے کے پاس جا کر وہ پیکیٹ اسے کھانے کے لیے دے دیا۔بس میں آکر بیٹھنے کے بعد افشاں نے کہا اچھا کیا بیچارا کتنا بھوکا ہے،دیکھو کیسے کھا رہا ہے۔فرحین کا دِل رو رہا تھا جو بات امّی اسے سمجھانا چاہتی تھی،جو منظر اُس روز اُس نے نیوز میں دیکھا تھا مگر آج حقیقت میں دیکھ کر بغیر کسی کے کہے وہ سمجھ گئی تھی کہ ہمارے لیے جو تھوڑا کھانا معمولی ہوتا ہے وہ کسی بھوکے کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں،اب وہ اپنے آپ سے عہد کر رہی تھی کہ اب کبھی وہ کھانے کو ضائع نہیں کرے گی۔آج روٹی کے ایک ٹکڑے کی اہمیت اُس پر واضح ہو گئی تھی۔

خوبصورت جزیرہ

روشان اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے بہت ہی ناز ونعم میں پرورش پا رہا تھا۔ گھر میں والدین اُس کی ہر بات کو اہمیت دیتے تھے۔ اس کے والد بحری جہاز میں کپتان تھے۔ اکثر ملک سے باہر رہتے، گھر میں خوش حالی تھی۔ روشان بہت ہی ذہین اور ہوشیار لڑکا تھا۔ اسکول میں اپنی جماعت میں ہمیشہ اوّل آتا اور پڑھائی کے علاوہ دوسرے پروگراموں میں بھی حصّہ لیتا۔ اس کے دوست اکثر اس سے سوال کرتے کہ جب تمھارے والد بحری جہاز میں کپتان ہیں اور اکثر سفر پر رہتے ہیں، تب وہ تمھیں کبھی اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتے وہ خاموش ہو جاتا۔ کیونکہ یہ سوال وہ بھی کئی بار اپنی امّی سے کر چکا تھا مگر وہ ٹال جاتی تھی مگر جب ایک بار اُس نے بہت ضد کی تو تب اس کی امّی نے بتایا کہ ایک بار اس کے دادا جی بھی اس کے والد کے ساتھ سفر میں تھے اور جہاز ایک حادثے کا شکار ہوا اور اس کے دادا جی ڈوب گئے۔ اس حادثہ سے اس کے والد کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ وہ کئی دنوں تک بیمار تھے پھر اپنی نوکری کی مجبوری کی وجہ سے جوائن ہوئے مگر انھوں نے پھر کبھی اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر سفر نہیں کیا۔ یہ سُن کر روشان خاموش ہو گیا۔

روشان کی یوں تو اپنی جماعت میں بہت سے لڑکوں سے دوستی تھی مگر سب سے زیادہ گہری دوستی اس کی دانیال سے تھی۔ وہ دونوں ہم جماعت ہونے کے علاوہ پڑوسی بھی تھے۔ دانیال کے

والد انجینئر تھے۔وہ بھی محکمہ بحری جہاز میں تھے۔اکثر وہ اور روشان کے والد ساتھ ہی ہوتے ،دونوں میں دوستی تھی۔دانیال تین بار اپنے والد کے ساتھ سفر کا مزا لوٹ چکا تھا اکثر وہ اپنے سفر کے مزے دار قصّے روشان کو سناتا تھا۔دانیال اور روشان نے اس بار آپس میں طے کیا کہ وہ دونوں ضد کر کے سفر پر اکٹھے جائیں گے۔روشان گھر آکر اپنی امّی سے ضد کرنے لگا کہ دانیال کے گھر والے پکنک منانے کے لیے سفر پر جارہے ہیں وہ بھی جائے گا۔دانیال نے بھی اپنے والد کو مجبور کیا کہ وہ روشان کے والد کو منائے کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ لے،تاکہ روشان کا بھی بحری سفر کا شوق پورا ہو۔اس کے ابو مان گئے اور روشان کے گھر جا کر بہت دیر تک بحث کی تب جا کر اس کے والد تیار ہو گئے۔ان کی رضا ملتے ہی زور وشور سے دانیال اور روشان کی تیاری شروع ہوئی۔دونوں دوستوں نے مل کر پروگرام بنایا،اپنے گیم باکس و دیگر ضروری چیزوں کی پیکنگ کی۔دانیال کی امّی کے ساتھ مل کر روشان کی امّی نے مختلف کھانے کی چیزیں،کپڑے و دیگر ضروری اشیا کی خریداری کیں۔انھیں بھی پہلی بار ایک ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا تھا۔روزمرّہ کے کاموں میں مشغول ہو کر کئی کئی دن اُن کی ملاقات نہیں ہو پاتی ،اسی لیے وہ دونوں بھی خوشی خوشی مل کر پروگرام طے کر رہی تھیں۔

مقررہ وقت پر ان کی روانگی ہوئی۔دونوں دوست ساتھ ہونے کی وجہ سے بہت خوش تھے ،ہر وقت ساتھ ہوتے اور ان کی ماؤں کو بھی کافی دنوں کے بعد فرصت ملی تھی وہ دونوں بھی ہر وقت ساتھ ساتھ کاموں میں اور باتوں میں نظر آتیں،ایک دوسرے کو اپنے خوشی وغم کے قصّے سناتی رہتیں۔دانیال اور روشان اکثر اپنے والد کے کیبن میں جاتے ،معلومات حاصل کرتے۔روشان کے والد نے دونوں کو بھی بغیر اجازت کے کہیں بھی جانے سے منع کیا تھا۔دانیال پہلے بحری جہاز سے سفر کر چکا تھا اسی لیے وہ روشان کو سب بتاتا تھا۔دونوں مل کر کھانا کھاتے ،گیم کھیلتے اور رات میں جب سب سو جاتے تو یہ دونوں جاگ کر باتیں کرتے رہتے کہ وہ اپنے دوستوں کو بتائیں گے کہ انھوں نے کتنا مزہ کیا۔چار پانچ دنوں کا سفر خیر وعافیت سے گزرا۔پھر ہواؤں کا رُخ تبدیل ہوا اور طوفان کے آثار نمودار ہوئے۔سمندر میں بڑی بڑی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔جہاز کے منتظم نے اعلان کیا کہ تمام لوگ اپنے اپنے کمروں میں بیٹھے رہیں اور بغیر اجازت کے عرشے پر نہ جائیں۔

اعلان ہوتے ہی سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔اور جہاز کا عملہ اپنے کاموں میں مصروف ہوا۔وہ جہاز کو محفوظ مقام پر لے جانے کی ترکیب کرنے لگے۔روشان اور دانیال کی والدہ نے انھیں سمجھایا کہ وہ بغیر بتائیں کہیں نہ جائیں اور دونوں اپنی باتوں میں مصروف ہوئیں، دونوں میں بڑی مزے دار بحث ہو رہی تھی۔دونوں لڑکوں نے اپنی والدہ کو یقین دلایا کہ وہ اپنے کمرے میں گیم کھیل رہے ہیں۔کھیل کے دوران دانیال نے بتایا کہ جب سمندر میں بڑی بڑی لہریں اُٹھتی ہیں تو ساتھ میں بہت ساری خوب صورت مچھلیاں بھی ہوتی ہیں۔بڑا مزا آتا ہے۔روشان نے کہا کہ میں نے تو کبھی نہیں دیکھا، چلو صرف ایک بار دیکھ آتے ہیں۔

دونوں کھیل چھوڑ کر اوپری حصّے کی طرف دوڑے۔وہاں کوئی نہیں تھا۔روشان پہلی بار یہ نظارہ دیکھ رہا تھا جب بھی کوئی مچھلی لہروں سے اوپر آتی ،دونوں ہاتھ بڑا کر پکڑنے کی کوشش کرتے۔انھیں بڑا مزہ آرہا تھا۔ایک بار روشان زیادہ نیچے کی طرف جھکا تو دانیال نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔پھر دونوں نے ایک نیا کھیل شروع کیا۔ایک ہاتھ سے ایک دوسرے پر پانی پھینک رہے تھے۔تب ہی ایک بڑی لہر اُٹھی اس میں بہت ہی خوب صورت ایک بڑی مچھلی تھی۔

دونوں ایک ساتھ اس پر جھپٹتے ہوئے آگے کی طرف جھکے اور پانی کے دباؤ کی وجہ سے نیچے کی طرف آئے۔دونوں نے ڈر کر سختی سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑلیا اور ایک ہاتھ سے جہاز کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔مگر وہ کامیاب نہ ہوئے، وہ لہر انھیں جہاز سے بڑی دور لے آئی۔وہ دونوں پانی کے رحم و کرم پر تھے، اچھے تیراک ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو دلاسہ دیتے ہوئے ان کی کوشش جاری تھی۔وہ کافی دور آگئے تھے جہاز بھی نظر نہیں آرہا تھا آخر تھک ہار کر اُن کے جسم نے بھی ساتھ دینا چھوڑ دیا۔اُن کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔مگر اس حالت میں بھی ایک دوسرے کا ہاتھ سختی سے پکڑے ہوئے تھے۔تب آخری لمحوں میں بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ روشان کو محسوس ہوا کہ اُس کے پیر کسی سخت چیز سے ٹکرائے۔اس کا ذہن اندھیرے میں ڈوب گیا یہی حال دانیال کا بھی تھا۔دونوں لہروں کے حوالے تھے۔

جہاز کے عملے نے بڑی کوشش سے جہاز کو بہ حفاظت طوفان سے نکال لایا۔کھانا کھانے کے لیے روشان کی والدہ انھیں بلانے آئی تو دیکھا کہ دونوں کے گیم کھلے پڑے ہیں جیسے ابھی اُٹھ کر

باہر گئے ہوں۔ کمرے میں دونوں نہیں تھے۔ وہ سمجھیں کہ اس کے والد کے کیبن میں ہوں گے۔ وہ وہاں آئی، اس کے والد سے دریافت کیا مگر انھوں نے کہا کہ وہ دونوں تو بہت دیر سے نہیں آئے۔ پریشان ہو کر انھیں ہر جگہ تلاش کیا۔ دو چار لوگ اوپر کی طرف گئے تو انھیں روشان کی ٹوپی ملی۔ وہ اسے لے کر نیچے آئے۔ دانیال کے والد نے کہا شاید وہ لوگ اوپر گئے تھے، دیکھو وہیں ہوں گے۔ وہ سب انھیں تلاش کرنے اوپر آگئے، اوپری حصے کا چپہ چپہ تلاش کیا مگر وہ کہیں نہیں تھے روشان کے والد کا دل کسی انجان حادثے سے ڈر رہا تھا۔

روشان کے والد نے فوراً حفاظتی دستے کے چند لوگوں کو انھیں تلاش کرنے کے لیے کشتی میں بھیجا۔ وہ سمجھ گئے کہ جب بڑی بڑی لہریں اُٹھ رہی تھیں شاید تب یہ دونوں اوپر آئے تھے۔ ''وہ کہنے لگے اسی لیے میں اسے ساتھ لانے سے منع کرتا تھا، میرا دل کسی حادثے کے خدشے سے ڈرتا تھا۔'' دانیال کے والد نے دلاسہ دیا مگر وہ خود کم پریشان نہ تھے۔ دونوں خواتین رونے لگیں اور انھیں یہ افسوس بھی تھا کہ اُن کی لاپرواہی کی وجہ سے ایسا ہوا، اگر وہ انھیں اپنے ساتھ رکھتیں تو بہتر ہوتا وہ دونوں بغیر بتائے اوپر کی طرف نہیں جاتے، اُن کے والد تو جہاز کی فکر میں تھے۔ کاش وہ باتوں میں مشغول ہونے کے بجائے ایک بار اُن کے کمرے میں جا کر اپنی تسلّی کر لیتی۔ مگر اب اِن باتوں کا کیا فائدہ لوگ انھیں دلاسہ دے رہے تھے کہ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ بچّوں کو کچھ نہ ہوگا۔

جہاز کو محفوظ مقام پر لنگر انداز کر لیا گیا۔ سب لوگوں کو حالات کے اچھا ہونے کا اطمینان دِلا کر، دو تین کشتیوں میں حفاظتی دستے چاروں طرف انھیں تلاش کرنے نکل گئے۔ کیونکہ طوفان کی وجہ سے لوگوں میں بے اطمینانی پھیل گئی تھی۔ اب حالات ٹھیک ہونے پر لوگ انھیں دلاسہ دے رہے تھے۔ سب کو اُن دونوں کی فکر تھی۔

روشان اور دانیال سمندر کے کنارے ریت پر بے ہوش پڑے تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ دن کا اجالا رات کی تاریکی کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ پہلے روشان کی آنکھیں کھلیں۔ اسے یاد آیا کہ وہ لہروں کے حوالے تھے۔ اپنے آپ کو زندہ محسوس کر کے اس نے ہاتھ سے زمین کو چھوا۔ اس کے ہاتھ میں ریت کے ذرّات تھے۔ پھر اس نے اپنا دوسرا ہاتھ دیکھا اور اس میں اپنے دوست دانیال کا ہاتھ دیکھ کر، اسے اپنے ساتھ دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے ان کی جان بچائی اور

کنارے پر پہنچا دیا۔ پھر وہ آہستہ سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ سارا جسم درد سے بے حال تھا۔ اس نے دانیال کو آوازیں دی وہ اسے جھنجھوڑ رہا تھا ''دانیال ۔دانیال اُٹھو ہم زندہ ہیں۔۔ ہم زندہ ہیں۔'' دانیال نے آنکھیں کھول دیں پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت میں روشان کو دیکھتا رہا پھر روشان، ہم زندہ ہیں روشان ہم زندہ ہیں کہتے ہوئے کراہ کر اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا'' درد سے بُرا حال ہے ہم کہاں ہیں۔'' روشان نے کہا'' دوست اللہ کے کرم سے ہم موت کے منہ سے نکل آئے ہیں، مگر ہمارا جہاز کہیں نظر نہیں آ رہا ہے۔ ہمارے امّی ابو تو بہت پریشان ہوں گے، نہ جانے ہم کہاں آ گئے ہیں؟۔'' دونوں کے آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ دانیال نے کہا اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔ پتہ نہیں ہم کس ویرانے میں آ گئے ۔اب پہلے اپنے لیے کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنی چاہیے۔ ہمت کر کے دونوں کھڑے ہوئے ۔ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگے۔ دور دور تک جہاں تک نظر جاتی خالی میدان نظر آتا کہیں کہیں درختوں کے سلسلے نظر آتے، تو دوسری طرف موجیں مارتا سمندر دونوں خوف زدہ ہو کر آگے بڑھنے لگے۔ بھوک وتھکان سے بُرا حال تھا مگر سب سے زیادہ فکر کسی محفوظ مقام تک پہنچنے کی تھی۔ کیا پتہ کوئی جنگلی جانور یا آدم خور سے پالا پڑ جائے ۔اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا اور صاف صاف نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ چلنے کے بعد دانیال رک کر کہنے لگا میں اب نہیں چل سکتا۔ روشان نے کہا'' ہمت مت ہارو میرے دوست! ہمیں جلد از جلد اپنے لیے کوئی محفوظ ٹھکانا ڈھونڈ نا ہوگا۔'' وہ چلتے رہے ۔کافی دور تک چلنے کے بعد ایک جگہ روشنی نظر آئی۔ قریب جانے پر ایک جھونپڑا نظر آیا۔ ڈرتے ڈرتے روشان نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ آواز کے ساتھ کھولا گیا۔ کون؟ ایک بوڑھا شخص جس کے ایک ہاتھ میں موم بتی تھی، دوسرے ہاتھ میں لکڑی کا ڈنڈا وہ باہر آیا۔ بڑھے ہوئے بال کے ساتھ رات کے اندھیرے میں بوڑھے کا چہرہ ڈراؤنا لگ رہا تھا۔

دونوں نے ڈر کر ایک دوسرے کو پکڑ لیا۔ بوڑھا بھی دونوں لڑکوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا کون ہو تم؟ اس ویرانے میں کہاں سے آئے ہو؟ اندر آ جاؤ کہہ کر اندر چلا گیا۔ دونوں بھی ڈرتے ڈرتے اندر آ گئے اور ایک طرف بیٹھ گئے تھکن سے بُرا حال تھا۔ لکڑی کی دیوار سے ٹیک کر لیٹنے کے انداز میں گر گئے۔ بوڑھے نے دیکھا کہ اُن کی حالت بہت خراب ہے۔

تھکن سے بے حال ہیں۔اُس نے کہالڑکوں تم دودھ پیواور سو جاؤ۔انھوں نے دودھ پیااور وہیں پر سکڑ کر سو گئے۔بوڑھے نے انھیں سیدھے لٹادیا۔آرام سے لیٹ کر وہ نیند کی وادی میں چلے گئے۔درد اور تھکن نے انھیں کہاں ہے؟ کدھر ہیں؟ جیسے سوالوں سے بے نیاز کر دیا۔

صبح صبح پرندوں کے چہچہانے سے اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔آرام کرنے سے جسم کی تھکن تو دور ہوئی مگر بھوک سے بُرا حال تھا۔دونوں اُٹھ کر بیٹھ گئے۔بوڑھا شخص ایک طرف بیٹھا لکڑیاں جلا رہا تھا۔لڑکوں کو نیند سے بیدار ہوتے دیکھ کر اُس نے کہا آؤ لڑکوں تمھیں بہت بھوک لگی ہوگی، یہ دودھ پی لو۔انھوں نے دودھ پی لیا۔پھر بوڑھے شخص نے اُن کے سامنے چند پھل رکھے۔دونوں نے وہ بھی کھا لیے۔جسم میں تھوڑی توانائی محسوس ہو رہی تھی۔انھوں نے تشکر آمیز نظروں سے بوڑھے کی طرف دیکھا،اب دن کے اجالے میں انھیں ڈر بھی نہیں لگ رہا تھا۔وہ اُٹھ کر اُن کے قریب آیا اور کہا ''بچّو! کہو کیسے اس ویرانے میں آ گئے،رات تم کافی تھکے ہوئے تھے اور کچھ کہنے کی حالت میں بھی نہیں تھے۔'' یہ سُن کر انھوں نے اپنی داستان سنائی۔اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔بوڑھے نے تسلی دی اور کہا ڈرو مت، اللہ بڑا کارساز ہے کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔دانیال نے پوچھا ''بابا آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں آپ کے گھر کے لوگ کہاں ہیں۔

دانیال کی بات پر بابا نے کہا بیٹا کئی سال پہلے میں بھی طوفان میں جہاز کے ڈوبنے سے یہاں آ نکلا۔یہ ایک بہت ہی خوب صورت جزیرہ ہے۔جہاں ایک طرف آدیباسی جنگلی لوگ رہتے ہیں،تو دوسری طرف گھنا جنگل ہے،جنگلی جانور، پالتو جانور اور پرندے بھی ہیں۔انھیں مار کر کھاتا ہوں۔چلو باہر آؤ میں تمھیں دکھاتا ہوں۔دونوں اُٹھ کر بابا کے پیچھے چل دیے۔باہر دن کا اجالا چاروں طرف پھیل رہا تھا۔رنگ برنگی پھولوں کے پودے اور بیل نظر آ رہے تھے۔ہر طرف سے پرندوں کے چہچہانے کی آواز آ رہی تھی۔ہر طرف ہریالی چھائی تھی۔بہت ہی دلکش اور حسین منظر تھا۔بابا انھیں جھونپڑے کے پیچھے کی طرف لے آئے۔جہاں چھوٹا سا باغیچہ تھا۔جس میں کئی طرح کی سبزیاں لگائی گئی تھیں۔دوسری طرف بکری، گائے اور خرگوش وغیرہ جانور تھے۔بابا نے کہا ''اب یہی میری چھوٹی سی دنیا ہے،جن کے ساتھ سالوں سے جیے جا رہا ہوں۔دودھ، پھل، سبزی اور بھنا ہوا گوشت یہی چیزیں یہاں کھانے کے لیے اور چشمے کا ٹھنڈا پانی پینے کے لیے ہیں۔

تم لوگ باغ دیکھوتب تک میں تمھارے لیے کچھ کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔یہیں گھومو پھرو،جنگل کی طرف نہ جاؤ'' یہ کہہ کر بابا جھونپڑے میں چلے گئے۔

دونوں باغ سے باہر آئے۔دانیال نے کہا'' کتنا بلند حوصلہ ہے بابا کا،سالوں سے اپنے لوگوں سے بچھڑے جی رہے ہیں۔ہمیں بھی ڈرنا نہیں چاہیے۔ہمارے گھر والے ہمیں تلاش کرلیں گے۔آؤذرا گھوم کر دیکھیں ہم کہاں پر آگئے ہیں۔'' دونوں آگے بڑھ گئے۔

چاروں طرف ہریالی تھی۔ہر طرف خوشنما رنگ برنگی پھول کھلے تھے۔پیڑ پودوں پر خوب صورت پرندے چہچہار ہے تھے۔چلتے چلتے تھوڑا آگے آئے تو ایک چھوٹا سا جھرنا بہہ رہا تھا۔یہ خطۂ ارض انھیں قدرت کی صناعی کا بہترین نمونہ لگ رہا تھا۔ دونوں نے سیر ہوکر پانی پیا۔ٹھنڈے وبیٹھے پانی سے اپنی پیاس بجھائی۔رات کے اندھیرے میں لگنے والا خوف زائل ہو چکا تھا۔موسم اور موحول کی دلکشی میں وہ کھو گئے۔آہٹ پر دیکھا تو ایک خوب صورت ہرن اُن کی طرف دیکھ رہا تھا۔جیسے ہی وہ اُس کی طرف آگے بڑھے ہرن بھاگنے لگا۔یہ دونوں بھی اُس کے پیچھے دوڑے مگر تھوڑی دور جا کر رک گئے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔روشان نے کہا'' واپس چلو بھوک لگی ہے اور کہیں ہم راہ نہ بھٹک جائیں۔'' گھر والوں سے بچھڑنے کا غم ابھی تازہ تھا۔دونوں واپسی کے راستے کی طرف مڑ گئے۔قدرتی مناظر کا لطف لیتے ہوئے بابا کے پاس آگئے۔بابا نے کہا آؤ لڑکوں کتنی دیر لگادی، میں تو ڈر گیا تھا تم کہیں راستہ نہ بھٹک جاؤ۔دانیال نے کہا بابا'' بہت ہی حسین جزیرہ ہے ہم نے ایک خوب صورت ہرن بھی دیکھا۔بابا نے کہا یہاں پر بہت سے جانور ہیں۔خطرناک قسم کے جانور بھی ہیں۔چلو بھوک لگی ہوگی پہلے یہ کھالو۔یہ ابلی سبزی اور بھُنے ہوئے پرندے کا گوشت کھاؤ،تا کہ تمھاری بھوک مٹ جائے اور تو کچھ یہاں ہے نہیں۔'' روشان نے کہاں بابا یہ بھی بہت ہے اگر آپ یہاں نہ ہوتے تو ہمارا کیا ہوتا۔دونوں نے سیر ہوکر کھایا،ٹھنڈا پانی پیا۔

روشان نے کہا'' آپ یہاں اکیلے کیسے رہتے ہیں۔'' بابا نے کہا'' بیٹا ضرورت انسان سے سب کام کروالیتی ہے۔پہلے تو دو دن میں بے ہوش تھا،زندگی تھی جو بچ گیا۔یہاں کے خوب صورت ماحول نے میرا خوف زائل کیا۔دو دن تو جھرنے کا پانی اور پھلوں پر گزارا کیا۔سارا سارا دن سمندر کے کنارے جا کر بیٹھتا،کسی کشتی یا جہاز کا انتظار کرتا،مگر کب تک پھر میں نے سوچا جب

تک اللہ نے زندگی دی ہے جینا تو ہے کیوں نہ اس کے لیے کوشش کی جائے۔ اس سوچ نے جیسے میرے اندر چھپی صلاحیتوں کو جگا دیا اور مجھے طاقت بخشی۔ میں جنگل کی طرف گیا، وہاں سے لکڑی لائی جو جلانے کے کام آئی۔ وہاں بہت سے جانور بھی تھے۔ میں ایک بکری کا بچہ لے آیا۔ اسی طرح میں روز جنگل جاتا اور اپنے کام کی چیزیں لاتا۔ خرگوش، تیتر اور گائے وغیرہ.... جانور آہستہ آہستہ لے آیا۔ اپنے بچاؤ کے لیے لکڑی کے ہتھیار بنائے، باغبانی کی کئی طرح کے پھل اور پھول اُگائے، پھر رفتہ رفتہ عادت ہوتی گئی۔ اب بھی روزانہ سمندر کے کنارے جا کر کسی جہاز یا کشتی کا انتظار کرتا ہوں، بیٹھے بیٹھے مچھلیاں پکڑتا ہوں جو کھانے کے کام آتی ہیں۔ مگر اب تو جیسے یہاں کے ماحول میں بس گیا ہوں۔ یہ قدرتی ماحول، یہ معصوم جانور میرے ساتھی ہیں۔ ضروریاتِ زندگی سے فراغت کے بعد تمام وقت یادِ الٰہی میں گزرتا ہے۔ دل کو بہت سکون محسوس ہوتا ہے، اپنے گھر والوں کے لیے دُعا کرتا ہوں۔'' بابا کی باتیں سُن کر دونوں بہت متاثر ہوئے۔ کھانے کے بعد دانیال نے کہا ہمیں سمندر کے کنارے جا کر دیکھنا چاہیے، ہمارے والدین پریشان ہوں گے، کیا پتہ ہمیں تلاش کرنے کے لیے کوئی کشتی آ جائے۔ پھر تینوں ساتھ ساتھ سمندر کے کنارے کی طرف چل دیے۔ راستہ میں روشان کہنے لگا ''اگر ہمارے گھر والے ہمیں تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے تو آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے، یہاں اکیلے مت رہیے۔'' بابا نے پیار سے اس کی طرف دیکھ کر کہا ''بیٹا اب تو جی چاہتا ہے کہ یہیں رہ جاؤں، مگر تم دونوں کے آنے سے پھر اپنوں کے پاس جانے کی خواہش جاگ اُٹھی ہے، اللہ جانے اب آگے کیا ہو اور تم لوگ بھی گھبراؤ مت اگر تمھارے گھر والے نہ ملے تو ہم تینوں مل کر یہیں رہیں گے، جب تک کوئی جہاز نہ آئے۔'' دونوں نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ باتوں باتوں میں راستہ کیسے کٹا پتہ بھی نہ چلا۔

ٹھاٹھیں مارتا سمندر سورج کی کرنوں سے سنہرا نظر آ رہا تھا۔ بہت ہی حسین منظر تھا۔ تینوں ایک پتھر کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ بابا نے کہا ''پیارے لڑکوں تمھیں اس طرح اپنے بڑوں کو بغیر بتائے جہاز کے اوپری حصّے کی طرف اکیلے نہیں جانا چاہیے تھا تمھارے والدین تو بہت پریشان ہوں گے۔'' دانیال نے کہا ''روشان کے والد اسے ساتھ لانے پر راضی ہی نہیں تھے، بہت ضد کر کے ہم نے انھیں راضی کیا تھا۔

تب ہی اچانک بابا نے کہا ''لڑکوں اُدھر دیکھو ایک کشتی نظر آرہی ہے فوراً اپنی قمیص نکالو، اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر اسے لہرائیں گے تاکہ اُن لوگوں کو ہم آسانی سے نظر آسکیں۔'' روشان نے جلدی سے اپنی قمیص اتار کر بابا کے ہاتھ میں دی۔ ایک اونچی چٹان پر کھڑے ہوکر بابا زور زور سے روشان کی قمیص ہلا رہے تھے۔ کشتی کو قریب آتا دیکھ کر دانیال اور روشان خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے۔ اُچھل اُچھل کر ہاتھ ہلا رہے تھے۔ کشتی کنارے پر آکر لگ گئی۔ دانیال نے کشتی میں اپنے والد کو دیکھ کر زور سے آواز لگائی اور اُن کی طرف دوڑ پڑا۔ روشان نے کہا'' آیئے، دانیال کے والد آرہے ہیں۔'' بابا نے کہا'' بیٹا اتنے سالوں سے تنہا رہتے ہوئے آدی باسیوں جیسا لباس استعمال کرتے ہوئے اب مہذب انسانوں میں جانے کو دل نہیں کرتا، تم جاؤ۔'' اتنے میں دانیال کے والد قریب آئے۔

دانیال نے انھیں سب بتادیا کہ کس طرح وہ لوگ یہاں آئے اور بابا نے اُن کی مدد کی۔ دانیال کے والد نے بابا کا شکریہ ادا کیا اور انھیں اپنے ساتھ جہاز پر چلنے کی دعوت دی اور کہا کہ اگر آپ کا دل وہاں نہ لگے تو جن چیزوں کی آپ کو ضرورت ہو وہ لے کر واپس آجائیں۔ روشان اور دانیال نے بھی بہت اصرار کیا۔ دونوں نے اُن کے ہاتھ پکڑ لیے اور کہا چلیے نہ بابا ہمارے ساتھ بابا نے اقرار کرتے ہوئے سر ہلایا اور کہا میں اپنا ضروری سامان لے آتا ہوں۔ دانیال اور روشان نے دانیال کے والد سے کہنے لگے کہ آپ ایک بار جزیرہ گھوم پھر کر دیکھ لیں، بہت خوبصورت جزیرہ ہے۔ دانیال کے والد بھی حیرت سے خوبصورت، پرکشش جزیرہ کو دیکھ رہے تھے۔ لڑکوں نے انھیں گھمایا پھر بابا کی جھونپڑی میں لے آئے۔ دانیال کے والد نے بھُنا گوشت کھایا، جھرنے کا میٹھا پانی پیا۔ پھر سب مل کر کشتی میں سوار ہوئے۔

بابا اس جزیرے کو دیکھ رہے تھے جس نے انھیں پناہ دی تھی نئی زندگی دی تھی۔ روشان اور دانیال بھی چاروں طرف دیکھ رہے تھے جب وہ یہاں آئے تھے تو زندہ بچنے کی امید بھی نہ تھی مگر یہاں سے وہ زندہ سلامت جارہے تھے۔ بابا اور لڑکوں نے جزیرہ پر الوداعی نظر ڈالی اور وہاں سے رخصت ہوگئے۔ کشتی جہاز کی طرف آئی۔ یہ سب لوگ جہاز میں آگئے۔ روشان اپنے والدین کی طرف تو دانیال اپنی امّی کی طرف دوڑ پڑا۔ بچّوں کے اور اُن کے والدین کی آنکھوں میں خوشی کے

آنسو تھے۔دانیال کے والد نے کہا اگر بابا نہ ہوتے تو نہ جانے ہمارے لڑکوں کا کیا حال ہوتا۔

روشان کے والد بابا سے ملنے آئے۔بابا نے روشان کے والد کو دیکھا، وہ حیرت سے دیکھ رہے تھے اُس کے والد بھی، پھر دونوں تڑپ کر ایک دوسرے کے گلے مل کر رونے لگے۔روشان کی امّی بھی رو رہی تھی۔سب انھیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔روشان امّی کے پاس آیا اور بولا امّی امّی کیا ہوا۔اُس کی امّی نے کہا بیٹا یہ تمہارے دادا جی ہے۔روشان جا کر اُن کے گلے لگ گیا۔ دانیال اور اُس کے والدین بھی اُن سے ملے۔دانیال کے والد نے روشان کے والد سے کہا ''دیکھو اللہ کا کرم ہوا، اس حادثہ میں ہمارا یہ فائدہ ہوا کہ سالوں کے بچھڑے مل گئے۔'' روشان کے والد نے اللہ کا شکر ادا کیا پھر اپنے والد کو لیے اپنے کمرے میں آ گئے۔دادا جی نے لباس وغیرہ تبدیل کیا۔دانیال روشان سے کہنے لگا سچ مچ وہ جزیرہ بہت خوبصورت ہے کیونکہ وہاں تمھارے دادا جی ملے۔دونوں دادا جی کی طرف آئے۔دادا جی اپنے بیٹے کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔روشان کے والد کہہ رہے تھے کہ ''طوفان میں جہاز کے ڈوبنے پر کئی لوگوں کو بچایا گیا، آپ کو بھی بہت تلاش کیا گیا مگر کہیں نہ ملے، مجھے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا کئی دنوں تک میں بیمار رہا۔اس کے بعد ہر بار جب بھی سفر پر ہوتا تو نگاہیں آپ کو ہی تلاشتی رہتی، روشان کی ضد پر بھی میں اسے کبھی بحری سفر پر ساتھ نہ لے گیا، مگر اب کی بار اُس نے بہت ضد کی اور یہ حادثہ ہوا آپ مل گئے۔مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے سالوں بعد آپ کو دیکھ کر، اللہ نے مجھ پر کرم کیا۔'' روشان نے اپنے والد کی طرف دیکھا اُس نے انھیں کبھی اس قدر خوش نہ دیکھا تھا۔ہر وقت اُن کی آنکھوں میں اداسی چھائی رہتی تھی۔دادا جی نے کہا ''بیٹے اللہ کے بھید نرالے ہوتے ہیں۔وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے ہمارے بھلے کے لیے ہی کرتا ہے۔زندگی میں پھر اپنے بچوں سے اور خاص کر اپنے پوتے سے ملنا نصیب میں لکھا تھا۔'' روشان اور دانیال دادا جی کے پاس آ بیٹھے اور اُن سے کہا ہم پھر کبھی گھومنے کے لیے اس جزیرہ پر جائیں گے نا؟ دادا جی نے دونوں کے سروں پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہا کیوں نہیں ہم اُس خوبصورت جزیرہ میں ضرور جائیں گے جہاں مجھے خوبصورت رشتے ملے۔

ڈرامے

جھوٹ کا سایا

(انور ایک لاپرواہ لڑکا ہے۔کام کاج سے جی چرا کر دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی میں مشغول رہتا ہے۔ بڑی آسانی سے جھوٹ بول کر کام سے جی چرانا اسے اچھا لگتا ہے۔ایک دن اس کے چچا کو کہیں جانا تھا وہ اُس سے کہتے ہیں۔)

چاچا:انور میرے ساتھ چلو۔مہینہ کا سودالانا ہے تم ساتھ ہوں گے تو میرا بوجھ ہلکا ہوگا۔

انور: آپ کی بات سر آنکھوں پر چچا،مگر مجھے بہت ضروری کام ہے میرے دوست عرفان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں اسی کی مزاج پُرسی کے لیے جارہا ہوں۔

چاچا: (چچا سمجھ گئے کہ وہ جھوٹ بول کر کام سے جی چرارہا ہے) چلو میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔

انور: (گھبرا کر) آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں میں چلا جاتا ہوں۔

چاچا: نہیں صاحب زادے تکلف کی کوئی بات نہیں چلو میں بھی تمھارے دوست کی مزاج پُرسی کرلوں۔

(انور کی ایک نہیں چلتی ،دونوں ساتھ عرفان کے گھر جاتے ہیں۔دروازہ عرفان ہی کھولتا ہے)

عرفان: آؤ انور بڑی دیر کردی میچ شروع ہوگیا سب دوست جمع ہوگئے ہوں گے۔(پھر

اُس کے چچا کو دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہے)

انور: (گھبرا کر) ارے تم اُٹھ کیوں گئے چلو لیٹ جاؤ بیمار ہو۔

عرفان: میں بیمار نہیں تو! اور لیٹ کیوں جاؤں پلنگ پر ابا لیٹے ہیں۔ کل رات دیر سے گاؤں سے لوٹے تھے اس لیے تھک کر لیٹ گئے ہیں۔

انور: او شاید میرے سننے میں غلطی ہوئی ابا بیمار ہیں میں سمجھا تھا تم بیمار ہو۔

عرفان: (پریشان ہو کر) ابا کو کچھ نہیں ہوا آرام کر رہے ہیں۔

انور: (عرفان کے کان میں سب کہہ دیتا ہے) میں کیا کرتا پیچھا چھڑوانے کے لیے میں نے کہہ دیا تم بیمار ہو مجھے کیا پتہ ساتھ میں ہی چلے آئیں گے۔

چاچا: (جو کب سے خاموش کھڑے تھے) اچھا تم نہیں تمھارے والد صاحب بیمار ہیں۔

عرفان: نہیں چچا۔ ہاں ہاں چاچا ابھی نیند لگی ہے۔

چاچا: (اندر آ کر آرام سے بیٹھتے ہوئے) کب سے یہ حال ہے۔

انور: تین چار دن سے

چاچا: (انور کو گھورتے ہوئے) تم خاموش رہو تمھارے نہیں عرفان کے والد بیمار ہیں اور میں اسی سے پوچھ رہا ہوں۔

عرفان: ہاں دو تین دن سے بیمار ہیں۔

چاچا: اچھا! ابھی شاید تم کہہ رہے تھے کہ والد صاحب گاؤں سے تشریف لائیں ہیں آرام کر رہے ہیں۔

عرفان: نہیں نہیں چچا میں گاؤں سے آیا ہوں۔

چاچا: کیا تکلیف ہے انھیں

عرفان: سر میں نہیں پیٹ میں درد ہے شاید بخار بھی ہے۔

چاچا: (دونوں ہاتھ اُٹھا کر) یا اللہ رحم کر یرقان تو نہیں

عرفان: نہیں پیٹ میں نہیں سینہ میں درد ہے

چاچا: پھر تو دل کا معاملہ ہے یوں ہی لے کر بیٹھ گئے میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔ (کہہ کر فون

جیب سے نکالتے ہیں)

عرفان: (گھبرا کر) نہیں چچا ڈاکٹر ابھی تھوڑی دیر پہلے دیکھ کر گیا ہے۔

انور: دو دن سے ڈاکٹر آرہا ہے چاچا اس نے کہا انھیں آرام کی ضرورت ہے۔ چلئے ہم بازار چلتے ہیں۔

چاچا: تم خاموش رہو۔ بازار کل جائیں گے (پھر عرفان سے) ہاں بیٹا دو دن سے ڈاکٹر آرہا ہے پھر بھی کوئی فرق نہیں۔

(اسی وقت دروازے پر کوئی آتا ہے عرفان دیکھتا ہے)

عرفان: السلام علیکم آیئے پھوپھی جان اندر امّی کے پاس بیٹھیے۔

چاچا: (درمیان میں ٹوکتے ہوئے) وہ بھائی صاحب کو دیکھنے آئی ہوں گی دیکھ کر اندر جانے دو۔

پھوپھی: وعلیکم السلام یا اللہ کیا ہوا بھائی صاحب کو

چاچا: دِل کا مرض ہے کئی دِنوں سے ڈاکٹر آرہا ہے مگر کوئی فرق نہیں کیا آپ کو بتایا نہیں عرفان نے

پھوپھی: یا اللہ دِل کا مرض میرا بھائی بیمار ہے میں کیا کروں اور یہ عرفان (کہہ کر عرفان کی طرف غصہ سے دیکھتی ہے)

عرفان: پھوپھی آپ اندر امّی کے پاس جائیں میں سب بتاتا ہوں۔

چاچا: (ٹوکتے ہوئے) دیکھنے دو کیا پتہ بعد میں نہ دیکھنے کو ملیں۔ اللہ رحم کریں دل کا مریض چند دِنوں کا مہمان ہوتا ہے۔

پھوپھی: (زور سے روتے ہوئے) یا اللہ کیا میرا بھائی (ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر روتے ہوئے)

چاچا: صبر کیجیے خاتون مجھے تو شک ہے کہیں باہر کے اثرات تو نہیں جو دوا سے بھی فرق نہیں آرہا ہے۔

پھوپھی: کیا اثرات بھی ہے یا اللہ اب پوچھتی ہوں تمھاری ماں سے مجھے کیوں ہر بات سے بے خبر رکھا۔ بھابھی بھابھی

عرفان کی امّی: کون؟ کیا ہوا؟ اچھا آپا آپ آئی ہیں آیئے نا (چاچا کی طرف دیکھ کر) اور یہ کون؟

انور: میرے چاچا ہے

چاچا: دیکھئے اس قدر لا پرواہی اچھی نہیں اس قدر بیمار ہے یہ کیا پتہ آخری اسٹیج پر ہو یا پھر کسی جن کا سایہ وغیرہ۔

عرفان کی امّی: یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ بھائی صاحب کون بیار ہے؟ کس پر جن کا سایہ ہے۔

پھوپھی: اب اتنی بھولی نہ بنو میرے بھائی کو کیا ہو گیا ہے ہاں تمھارا کام تھا سب رشتہ داروں کو خبر کرنے کا (کہہ کر فون کرتی ہے)

چاچا: یا اللہ آپ لوگ آہستہ بات کریں دیکھئے سانس بہت آہستہ چل رہی ہے اللہ آپ لوگوں کو صبر دیں۔ ہاتھ لگا کر صدقہ وغیرہ دے دیں۔

عرفان کی امّی: یہ کیا کہہ رہے آپ یا اللہ (منہ پر ہاتھ رکھ کر روتی ہے)

پھوپھی: میں نے فون کر کے حسینہ آپا سے کہا کہ پیر شاہ بابا کو بھیج دے۔ بہت پہنچے ہوئے پیر ہیں۔

(خواتین کے زور سے رونے کی آواز، زور سے دروازہ کھول کر بابا کے آنے کا شور سُن کر عرفان کے والد گہری نیند سے جاگ جاتے ہیں۔)

والد: اف میرا سر درد کر رہا ہے یہ شور کون کر رہا ہے۔ مجھے سکون سے سونے دو۔

چاچا: اب ساری عمر سونا ہی ہے بھائی صاحب آپ آہستہ بات کریں۔ آپ کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ دِل کا درد جان لیوا ہوتا ہے۔ بابا آپ دیکھ لیں کہیں کرنی تو نہیں یا جن ہے۔

والد: میری حالت کو کیا ہوا ہے؟ اور آپ کون ہیں؟۔

بابا: میں کون ہوں؟ کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟ میں پیر شاہ بابا! میں وہ ہوں جو اچھے اچھے کو ٹھکانے لگا دوں۔ بڑے بڑے جن یوں (چٹکی بجاتے ہوئے) بھگا دیتا ہوں یا انھیں بوتل میں بند کر دیتا ہوں۔

والد: دیکھئے آپ جو کوئی بھی ہیں اپنے گھر جا کر جن کو بند کیجیے۔ (چاچا کی طرف دیکھ کر) آپ کون؟

انور: میرے چچا ہیں چلیے چچا گھر چلیں۔

چاچا: تم خاموش بیٹھو۔ دیکھ نہیں رہے کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں مجھے نہیں پہچانا۔

والد: دیکھئے بھائی صاحب میں تھکا ہوا تھا اس لیے آرام کر رہا تھا اور آپ کو اِن کے ساتھ (بابا کی طرف اشارہ کر کے) دیکھ کر میں پہچان نہ پایا پھر یاد آیا۔

چاچا: ہوتا ہے ہوتا ہے جب مرض حد سے بڑھ جائے تو ایسے بھی ہوتا ہے آپ پریشان نہ ہوں ڈاکٹر بار بار آ رہا ہے اور اب آپ کی بہن نے بابا کو بھی بلا لیا ان کا دعویٰ ہے کہ یہ بہت پہنچے ہوئے ہیں۔

والد: (غصہ سے) جب میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے کچھ نہیں ہوا تو سب بکواس کیے جا رہے ہیں۔ اور بابا کی طرف دیکھ کر) آپ جائیں حضرت میں اچھا ہوں۔

بابا: جب میں کہہ رہا ہوں کہ آپ پر سایا ہے تو آپ کیسے اچھے ہو سکتے ہیں۔

چاچا: اللہ رحم کریں سایا ہی ہے۔ میرا خیال صحیح نکلا۔

خواتین: یا اللہ رحم کر (کہہ کر دونوں خواتین رونے لگتیں ہیں)

والد: (غصہ ہو کر) خاموش رہو۔ بند کرو یہ رونا دھونا، میں ابھی زندہ ہوں۔

عرفان: ابا وہ غلط فہمی ہوئی۔ انور کے چاچا سمجھے کہ آپ بیمار ہیں۔

والد: کیوں بھئی؟ آپ ایسا کیوں سمجھے۔ کیا آپ کا دماغ خراب ہے۔

بابا: دماغ پر اثرات شروع ہو چکے ہیں اگر فوراً علاج نہ کیا گیا تو (دونوں ہاتھ اُٹھا کر) اللہ ہی مالک ہے۔ جلدی جلدی ایک بکرے کا انتظام کرو میں لے جا کر عمل کرتا ہوں۔

والد: (سر پر ہاتھ مار کر) ارے پاکھنڈی میں اب سمجھا تجھے بکرا چاہیے اس لیے تو نے یہ سب فساد برپا کیا۔ دیکھ اب میں تجھے کیا کرتا ہوں (کہہ کر اُس کی طرف بڑھتے ہیں) میرا جن بکرا نہیں تیری ہی قربانی مانگ رہا ہے۔

بابا: اوہو بھاگو یہ جن میرے بس کی بات نہیں (یہ کہہ کر بابا دروازے کی طرف بھاگ گئے)

چاچا: مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔

والد: اچھا اب آپ بتائیں آپ کو ایسا کیوں لگ رہا تھا۔

انور: انکل میں سمجھا تھا کہ آپ بیمار ہیں۔ میں نے چاچا سے کہا

والد: تم نے ایسا کیوں سمجھا؟

انور: وہ آپ آپ سوئے ہوئے تھے نا۔

والد: تھک کر سویا تھا مر نہیں گیا تھا۔ مصیبت ہے اب کیا انسان اپنے گھر میں سوئے بھی نہیں؟

چاچا: بابا تو کہہ رہے تھے اثرات ہیں۔ لاپرواہی اچھی نہیں

پھوپھی: بھائی صاحب یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ علاج کرانا بہتر ہے۔ کہیں اثرات بڑھ نہ جائے۔

والد: تم یہ کیا کہہ رہی ہو تم سے کس نے کہا کہ میں بیمار ہوں (اور پھر بیوی کی طرف دیکھ کر) ہاں ای نے کہا ہوگا کیوں بیگم میرے مرنے کی راہ تک رہی ہو کیا اسی لیے رو دھو کر سب کو جمع کیا۔

عرفان کی امّی: (روتے ہوئے) یا اللہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں ایسا کیوں کروں گی۔

چاچا: خاتون آپ خاموش ہو جائیں میں سب سمجھاتا ہوں۔

والد: آپ کون ہوتے ہیں سمجھانے والے آپ ہی مجھے مارنا چاہتے ہیں

چاچا: دیکھئے بھائی صاحب آپ جن کے نہیں جھوٹ کے سائے میں آگئے۔

والد: دیکھئے آپ پھر بکواس کر رہے ہیں۔

چاچا: میں سچ کہہ رہا ہوں (انور اور عرفان کی طرف ارشارہ کر کے) یہ ہے ہماری آج کی نئی نسل جو اپنے بزرگوں کا احترام نہیں کرتے جھوٹ پر جھوٹ بولتے چلے جاتے ہیں۔

(انور اور عرفان شرمندہ ہو کر نظریں جھکاتے ہیں)

والد: میں کچھ سمجھا نہیں۔

چاچا: میں آپ کو سب سمجھاتا ہوں۔ میں نے انور سے کہا کہ میرے ساتھ بازار چلے تو اُس نے جھوٹا بہانا کیا کہ عرفان بیمار ہے اور وہ اسے دیکھنے جا رہا ہے تب میں بھی اُس کے ساتھ یہاں آ گیا۔ تو اُس نے آپ کو بیمار بنا دیا۔ عرفان نے بھی اُس کے جھوٹ میں اُس کا ساتھ دیا۔ مگر میں سب سمجھ گیا۔

والد: (خفا ہوکر) اور آپ سب سمجھ کر بھی اُن کا ساتھ دے رہے تھے۔

چاچا: ہاں میں اُن کا ساتھ دے کر انھیں سبق دینا چاہتا تھا کہ ایک جھوٹ بولنے کے بعد اُس جھوٹ کو بچانے کے لیے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ اور اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

والد: (غصہ سے) بہت اچھا کیا آپ نے اب اِن کو پتہ چل گیا ہوگا کہ جھوٹ پر جھوٹ بولنے سے کبھی حالات کس قدر سنگین ہوجاتے ہیں (بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے) آپس میں رشتے خراب اور آخرت میں دردناک عذاب

انور اور عرفان: (شرمندہ ہوکر) ہمیں معاف کردیں۔ آئندہ ہم جھوٹ بولنے سے توبہ کرتے ہیں۔

والد: سچے دل سے توبہ کرو۔

چاچا: ہاں دل سے توبہ کرو دیکھا تمھارے جھوٹ کا سایہ کہاں پڑا۔

والد: (ہنستے ہوئے) آپ نے تو مجھے اوپر پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

چاچا: نہیں بھائی اللہ آپ کو صحت دے۔ چلیے چلتا ہوں۔

امّی: نہیں بھائی رکیے کھانا کھا کر جایئے سب تیار ہے۔

پھوپھی: ہاں کھانا کھا کر جایئے۔ آج آپ نے ہماری بھی آنکھیں کھول دیں۔ بابا کے چکر میں پڑ کر روپیہ اور آخرت دونوں برباد کردیتے۔ اور ذرا ذرا سی باتوں میں بدگمان ہوجاتے ہیں۔ جس سے آپسی رشتوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہے

والد: (کھڑے ہوکر چاچا کو بیٹھاتے ہوئے) ہاں ہاں بیٹھئے کھانا کھا کر جائیں پھر کہاں ایسی محفل ملے۔

چاچا: (ہنستے ہوئے) آپ بیٹھئے بھائی صاحب آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

(عرفان کے والد ہنستے ہوئے چاچا سے لپٹ جاتے ہیں۔ پردہ گرتا ہے)

ایک ووٹ ایک نوٹ

(شہر میں الیکشن قریب ہر طرف زور و شور سے تیاری جاری ہے۔ ہر پارٹی بڑھ چڑھ کر اپنی مبالغہ آرائی میں مصروف ہیں۔ ایسے میں نوجوانوں کا جوش و خروش بھی دیکھنے لائق ہے)

ارشد: دانش کہاں جا رہے ہو۔

دانش: سودا لانے جا رہا ہوں۔

ارشد: کالج ساتھ میں جائیں گے۔

دانش: نہیں آج میں نہیں جاؤں گا۔

ارشد: کیوں کوئی ضروری کام ہے۔

دانش: ہاں ضروری ہی سمجھو تم بھی میرے ساتھ چلو آج کالج کو چھٹی۔

ارشد: وہ کس خوشی میں بھائی کیا بہت ہی ضروری کام ہے۔

دانش: میرے چاچا کے قریبی دوست الیکشن میں کھڑے ہیں اُن کی مدد کرنا ہے۔

ارشد: پڑھائی کا نقصان کر کے جائیں گے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔

دانش: فائدہ یہ ہوگا کہ وہ ہمیں اس کا معاوضہ دیں گے۔

ارشد: پھر ٹھیک ہے۔ اس منہ توڑ مہنگائی میں یہ سودا برا نہیں ہے۔

دانش: یہی سوچ کر میں بھی جا رہا تھا کہ اپنا تھوڑا بہت خرچ نکل جائے گا۔

ارشد: تمھارے چاچا نے بات کی کہ ایک دن جلوس میں شریک ہونے کے کتنے روپے

دانش: نہیں میں نے اب تک کچھ پوچھا نہیں اب تم ساتھ ہو تو ہم بات کریں گے۔

(دونوں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ اسی وقت کسی پارٹی کا جلوس وہاں سے گزر رہا تھا۔ وہ لوگ نعرے لگا رہے تھے)

جلوس: کسی سے بھی نوٹ لو ہم کو ہی ووٹ دو

ارشد: دیکھو دانش یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔

دانش: کیا پتہ کیا سچ کیا جھوٹ آج کل سارا ماحول ہی اس رنگ میں رنگا ہے جس کو دیکھو اُس کے سر پر الیکشن کا بھوت سوار ہے۔ اور مزے کی بات یہ کہ کوئی بھی ایک پارٹی کا ساتھ ٹک کر نہیں رہتا آج اِس کے مورچہ میں تو کل اُس کے مورچہ میں

ارشد: تو کیا کریں بھائی مخلص پارٹی کی جستجو میں یہاں سے وہاں چکراتے پھرتے ہیں۔

(اُسی وقت مورچہ میں سے ایک آدمی آ کر اُن سے کہتا ہے)

آدمی: آؤ لڑکوں تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ ہماری پارٹی بے روزگاری، بے ایمانی اور رشوت خوری کے خلاف مہم چلا رہی ہے۔

ارشد: دانش ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ اگر سب مل کر بُرائی کے خلاف ہو جائیں تو ملک کے حالات بدل جائیں گے۔

دانش: ہاں تھوڑے سے پیسوں کے لیے ہم کیوں حق سے منہ موڑیں

(اسی وقت اُن کا دوست وکاس بھی آتا ہے)

وکاس: کیا کر رہے ہو تم دونوں یہاں، کیا اس مورچہ میں شامل ہو رہے ہو؟

آدمی: کیا سوچ رہے ہو لڑکوں آؤ شامل ہو جاؤ اپنے دوست کو بھی ساتھ لے لو۔

ارشد: وکاس یہ لوگ بے روزگاری، بے ایمانی اور رشوت خوری کے خلاف ہیں ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے۔

وکاس: ہاں میں بھی ان کے نعرے سُن کر آیا تھا۔

(پھر وہ تینوں مورچہ میں شامل ہوجاتے ہیں۔)

دوسرا منظر

(تینوں دوست اپنے اپنے دیگر دوستوں کوفون کرتے ہیں۔ایک جگہ جمع ہوکر باتیں کررہے ہیں)

ارشد: ہم اپنے دوستوں کو بھی اس پارٹی کا ساتھ دینے کے لیے مجبور کریں گے۔میں نے جاوید سے کہا تھا۔

وکاس: ہاں میں نے سریش سے کہا تھا وہ دیکھو وہ آرہا ہے۔

دانش: آؤ یار کیسے ہو آج کل دیکھائی نہیں دیتے۔

سریش: کیا بتاؤں دوستوں آج کل الیکشن کا ماحول ہے اور یہ روپے کمانے کا موسم ہے۔

وکاس: ہاں اسی لیے ہم نے تمھیں بلایا ہے ہم جس پارٹی کا ساتھ دے رہے ہیں وہ بے روزگاری، بے ایمانی اور رشوت خوری کے خلاف مہم چلا رہی ہے۔

سریش: ارے بھائی ایسا تو ہر پارٹی کہہ رہی ہے۔

ارشد: ہم نے دانش کے چاچا کے دوست کا ساتھ دینے کی بجائے اس پارٹی کا ساتھ دینے کا سوچا ہے جو بُرائیوں کے خلاف ہے وہ دیکھو جاوید بھی آ گیا۔

(وہ سب جاوید سے ملتے ہیں۔)

دانش: انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ جیت کے آنے کے بعد اِن بُرائیوں کا خاتمہ کریں گے۔

سریش: (ہنس کر) آج تک کسی نے خاص کر لیڈروں نے وعدوں کو پورا کیا ہے۔اُن کا کام ہی ہے وعدے کرنا اور مکر جانا۔

وکاس: یہ کیا کہہ رہے ہو انھوں نے ہم سے نوکری کا بھی وعدہ کیا ہے۔

جاوید: اگر وہ نوکری دینے کا وعدہ کررہے ہیں تو میں بھی اُن کا ساتھ دوں گا۔بے روزگاری سے پریشان ہوں۔

سریش: میرے بھولے دوستو تمھیں کیا لگتا ہے کہ تم جس پارٹی کا کام بھی مخلص ہوکر کروگے وہ جیت کر آنے کے بعد تمھیں سرآنکھوں پر بیٹھائے گی۔

ارشد: تو کیا کریں گے۔

سریش: پہچاننے تک سے انکار کر دیں گے کہ تم کون ہو بھائی اور پہچان بھی لیا تو چکر پہ چکر تم اُن کے آفس کے لگاؤ جب بھی بات نہ بنے۔

دانش: یہ کیا کہہ رہے ہو تم سریش

سریش: میں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں۔

وکاس: کل نیوز میں بھی دیکھا رہا تھا کہ کچھ پارٹیاں بُرائیوں کو مٹانے میں لگی ہیں۔

سریش: نیتا کا وعدہ، میڈیا کا ڈھنڈورہ پیٹنا ایسا جیسے گدھے کے سر پر سینگ سمجھے کہ نہیں سمجھے؟

ارشد: اب ایسے تو نہ کہو کیا نیوز بھی بکواس ہوتے ہیں۔

سریش: میں نے یہ کب کہا کہ سب خبریں بکواس ہوتی ہیں۔ میں نے کہا کہ جو دکھایا جا رہا ہے وہ مکمل طور پر سچ نہیں ہے۔

جاوید: میں تو بہت امید لے کر آیا تھا کہ کچھ کام بن جائے مہنگائی نے ناک میں دم کر دیا۔

دانش: یہ سب جانے دو۔ تم یہ کہو کہ ہمارے ساتھ مل کر کام کر رہے ہو نا؟

سریش: میں نے کام کرنے سے انکار نہیں کیا، جو جس قدر مال دے گا اُس کا کام کریں گے۔

وکاس: ہم تو یہ سوچ کر نکلے تھے کہ سچائی اور ایمانداری کا ساتھ دیں گے۔

سریش: اگر یہ کہیں ملے تو مجھے بھی دکھا دینا۔

ارشد: کون۔

سریش: یہی سچائی۔ ایمانداری

دانش: ہاں ہاں کیوں نہیں ہم تمھیں اُن لوگوں سے ملا دیں گے۔ جو سچائی اور ایمانداری سے ملک سے بُرائیاں مٹانے میں کوشاں ہیں۔ اور جو نوٹ دے کر ووٹ نہیں خرید رہے ہیں

ارشد: کل تم وقت پر یہاں آنا میں نے اُن صاحب کو بلایا ہے تم بھی اُن سے ملاقات کر لو۔

تیسرا منظر

(مقررہ وقت پر دہ سب اُس شخص کا انتظار کر رہے ہیں اسی وقت اس پارٹی کا خاص آدمی آتا دکھائی دیتا ہے۔ ارشد اسے اپنے پاس بلاتا ہے)

ارشد: آیئے بھائی صاحب

آدمی: کیسے ہو لڑکوں پھر تم نے کیا سوچا ہماری پارٹی میں آ رہے ہو نا؟ ہمیں ساتھ مل کر کام کرنا ہے کئی لڑکے ہمارے ساتھ جڑ گئے ہیں۔

وکاس: ہاں ہم آپ کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے تیار ہیں یہ ہمارے دوست ہیں ہم انھیں بھی یہی سمجھا رہے تھے۔

آدمی: آؤ لڑکے تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ آگے کی فکر نہ کرو ہم ہی جیت کر آئیں گے۔

سریش: یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کون جیتے گا کون ہارے گا۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کیا کام کریں گے۔

آدمی: میں نہیں بھائی ہم سب مل کر، سب سے پہلے تو لڑکوں کے لیے روزگار مہیا کرنا ہے۔ پھر رشوت کو سرے سے ختم کرنا ہے۔ پھر ملک کا ماحول امن پسند بنانا ہے۔

سریش: کتنے دنوں میں یہ سب ہوگا؟

آدمی: (کھسیانہ ہو کر) یہ کیا کہہ رہے ہو۔ آہستہ آہستہ ہی سب ہوگا نہ پہلے ہم سب کو مل کر پارٹی کی جیت کی کوشش کرنی ہے (پھر دانش کی طرف دیکھ کر) کتنے لڑکے تیار کر لیے تم نے

دانش: ہم سب کوشش کر رہے ہیں۔

سریش: سنو، اِن کے اس طرح کہنے سے کوئی نہیں آئے گا۔

آدمی: (سریش کی طرف دیکھ کر) پھر کس طرح آئیں گے۔

سریش: کیا ریٹ چل رہا ہے آج کل بازار میں (تینوں دوست حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہیں)

دانش: (سریش کو ایک طرف گھسیٹتے ہوئے) سریش بکواس نہ کرو وہ ہمیں بھی بُرے لڑکے سمجھے گا۔

سریش: اوفو! تم لوگ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو جاؤ۔

آدمی: ہاں لڑکوں تم لوگ خاموش رہو وہ کیا کہہ رہا ہے مجھے سننے دو۔

سریش: مہنگائی کے حساب سے دوسری پارٹی سے پیسے مل رہے ہیں۔ تم کیا دو گے بتاؤ تو اسی حساب سے میں لڑکے لے کر آتا ہوں۔

آدمی: (خوش ہوکر) کیا کہہ رہے ہوکئی لڑکے لاؤ گے۔ اِن لڑکوں نے معاملے کی بات نہیں کی۔ ورنہ میں پہلے ہی مال دے دیتا۔

تینوں دوست: (حیرت سے) ایں اس آدمی کو دیکھو۔

سریش: (دوستوں کی طرف ہنس کر دیکھتے ہوئے) اب آگے دیکھو (آدمی کی طرف دیکھ کر) ہاں بھائی صاحب یہ میرے بھولے دوست ہیں یہ کیا جانے دنیاداری

آدمی: (سریش کی طرف جھکتے ہوئے) تو یہ معاملہ طے ہوا۔ بازار میں اس سے زیادہ ریٹ کوئی نہ دے گا۔

سریش: ہاں تم بےفکر جاؤ۔ سب یار دوستوں کو جمع کر کے لاؤں گا۔

آدمی: تم بھی بےفکر ہو کر کام کرو منہ مانگی رقم دی جائے گی۔ (کہہ کر وہ چلا جاتا ہے)

(سریش اپنے دوستوں کی طرف دیکھتے ہوئے) کیوں کیا کہا تھا میں نے دوستو یہاں ہر کوئی اپنے مطلب کے لیے اچھے بُرے کام سب کر رہا ہے۔ پھر ہم کیا کریں جو رشوت دے رہا ہے کیا وہ رشوت ختم کر دے گا یا جس قدر روپیہ اُس نے الیکشن میں بہایا ہے اُس سے دُگنا وصول کرے گا۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں بہتی گنگا ہے ہاتھ دھولو۔ مہنگائی کے اس دور میں ہم بھی کمائیں۔

جاوید: تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔

تینوں ایک ساتھ: (حیرت سے) ہم کیا کہیں ہم کیا کریں۔

(اسی وقت اُس پارٹی کا مورچہ جاتا ہے۔ زور زور سے نعرے لگائے جا رہے ہیں)

جلوس: بے روزگاری، بے ایمانی اور رشوت خوری کے خلاف آواز اُٹھاؤ۔ آؤ ہمارے ساتھ آؤ

کسی سے بھی نوٹ لو ہم کو ہی ووٹ دو

(ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے سریش اور جاوید کے پیچھے وہ بھی آواز لگاتے ہوئے مورچہ میں شامل ہو جاتے ہیں)

کسی سے بھی نوٹ لو ہم کو ہی ووٹ دو

(پردہ گرتا ہے)

ایسا بھی ہوتا ہے

(چار بے روزگار نو جوان دوست افضل ،فرقان ،ارحان اور ایاز آپس میں باتیں کر رہے ہیں گھریلوں حالات کی وجہ سے پریشان ہیں نوکری ملتی نہیں اور منہ توڑ مہنگائی نے کمر توڑ رکھی ہے۔اس کا کیا حل نکالا جائے)

افضل :فرقان کل کہاں گئے تھے۔

فرقان :کل بھی انٹرویو دینے گیا تھا۔

ارحان :تمھارا کوئی سفارشی ہے وہاں؟

فرقان نہیں کیوں

ایاز :پھر کتنے دے سکتے ہو نوکری کے لیے

فرقان :کیا مطلب میں سمجھا نہیں

ارحان :اوہو !اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اپنی تعلیمی قابلیت کے مطابق گورنمنٹ نوکری یا کسی اچھی پوسٹ کے لیے بڑی کمپنی میں سفارش یا افسروں کی جیب گرم کرنے پر ہی ملتی ہے۔

فرقان :تو کیا اِس کے بغیر نوکری نہیں ملے گی۔

ایاز :ملے گی کیوں نہیں بھائی کمپیوٹر اور انگریزی تو ہم کو آتی ہے کسی مال (mall) یا آفس

میں تین چار ہزار کی نوکری مل جائے گی۔

فرقان: بس تین یا چار ہزار اس میں تو گزارا مشکل ہے۔ ہماری پڑھائی پر اس قدر خرچ ہوا ہے۔ ابا تو دن رات طعنہ دے رہے ہیں کہ میں ہی ناکارہ ہوں، مفت کے ٹکڑے توڑنے کی عادت ہوگئی ہے وغیرہ وغیرہ

ارحان: وہ بھی کیا کریں ہمارے گھر والوں نے بڑی تکلیفیں اُٹھا کر ہمیں پڑھایا اور ہم سے بڑی امیدیں وابستہ کیں۔ وہ لوگ اپنی جگہ صحیح ہیں۔

افضل: تو کیا ہم غلط ہیں روز کہیں نہ کہیں انٹرویو دینے جاتے ہیں۔ کتنی کوشش کر رہے ہیں۔
(اسی وقت ایک فقیر مانگتے ہوئے گزرتا ہے)

ارحان: (اپنی جیب سے پیسے نکال کر دیتے ہوئے) بابا لو اور دعا کرو جلد سے جلد ہمیں نوکری مل جائے۔

فقیر: اللہ بھلا کریں۔ اچھی سی نوکری دیں۔

ایاز: ہاں ہمیں دعا کی بہت ضرورت ہے میری اماں بھی اُٹھتے بیٹھتے دعا کرتی ہے اور بزرگ ہستیوں کے پاس بھی جاتی ہے کہ بابا کی دعا سے نوکری مل جائے۔

ارحان: میری امی تو کئی باباؤں کے پاس جا کر آ چکی ہے میری نوکری کے سلسلہ میں مگر کچھ فائدہ نہیں۔

افضل: آج کل تو ہر کوئی بابا بن کر بیٹھا ہے۔ بہت کم اس میں اصل ہوں گے باقی سب تو روپے سمیٹ رہے ہیں۔

ایاز: ہاں آج کل تو سب سے اچھا بزنس شاید یہی ہے۔

ارحان: فرقان کیا سوچ رہے ہو۔

فرقان: بڑی بہن کی شادی ہے ابا روز پوچھتے ہیں کہ نوکری کا کیا ہوا اب تو گھر میں داخل ہوتے ہوئے بھی شرم آتی ہے

افضل: ایک ترکیب ہے جس پر عمل کر کے ہمارے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

فرقان: جلدی بولو۔

افضل: کیوں نہ ہم بھی بابا کا بزنس شروع کریں۔

تینوں: (ایک ساتھ) بابا کا بزنس یہ کیا؟

افضل: ہم میں سے ایک بابا بن جائے باقی اُس کے چیلے، اچھا دھندہ ہوگا۔

فرقان: اور اگر کبھی پکڑے گئے تو گھر والوں سے جوتے پڑیں گے۔

ایاز: اس کا مطلب ہم بھی لوگوں کو دھوکا دیں گے

افضل: اب یہ سوچتے رہے تو ہوئے ہمارے مسائل حل؟ اور ہم تھوڑی ساری عمر کے لیے یہ بزنس کریں گے۔ بس چند دنوں کے لیے ہمارے اہم مسائل حل ہو جائیں اور ساتھ ساتھ ہم نوکری بھی تلاش کرتے ہی رہیں گے۔

فرقان: ہاں ہاں ٹھیک ہے میری بہن کی شادی تک میں ابّا کے ہاتھ پر جلد از جلد کچھ رقم رکھنا چاہتا ہوں۔

ارحان: اب یہ اتنا بھی آسان نہیں ہے۔ ہمارے پاس جگہ کہاں ہے، کہیں اور جانا پڑے گا اسی شہر میں رہے تو گھر والوں کو سب پتہ چل جائے گا۔ اگر کہیں اور چلے گئے تو گھر والوں سے ہم کیا کہیں گے۔

افضل: اوفو! اب یہی ایک شارٹ کٹ ہے جس میں کم خرچ کر کے زیادہ کما سکتے ہیں۔

ایاز: ہاں یار تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔

افضل: یہاں سے ایک گھنٹے کے راستے پر ایک گاؤں ہے میں وہاں ایک بار گیا تھا۔ ہم وہاں جا کر رہ سکتے ہیں۔ اب یہ طے کروں کہ بابا کون بنے گا۔

تینوں نے ایک ساتھ کہا: تم

افضل: میں ہی کیوں؟

ارحان: اس لیے کہ یہ ترکیب بھی تمھاری ہے۔ اور تم ایک اچھے اداکار بھی ہو۔

فرقان: ہاں پہلے سے ڈرامہ میں کام کرتے آئے ہو۔

افضل: ہاں مگر مجھے اتنا علم نہیں ہے۔ میں نہیں بن سکتا۔

ایاز: اب اس میں علم کی کیا ضرورت ہے میں نے کئی ایسے بابا دیکھے ہیں جو سرے سے جاہل

ہیں مگر بابا بن کر بیٹھے ہیں۔

فرقان: اور تم باتیں بھی اچھی بنا لیتے ہو۔اس لیے یہ طے ہوا کہ بابا تم ہی بنو گے۔

ارحان: مگر ہم نے اب تک یہ سوچا بھی نہیں کہ ہم اپنے گھروں میں کیا کہیں گے۔

فرقان: ہاں یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔

افضل: کہیں گے کہ ہمیں دوسرے شہر میں نوکری مل گئی ہے اب ہم صرف مہینہ میں ایک بار ہی گھر آسکتے ہیں۔چلو اب تیاری کے ساتھ ہی ملتے ہیں

دوسرا منظر

(جس گاؤں میں انھوں نے جانا طے کیا اُس گاؤں کے باہر ایک درخت کے نیچے افضل بابا بن کر بیٹھا ہے۔ارحان اُس کا خاص آدمی ہے۔اور ایاز اور فرقان دو ایسے شخص ہے جو بابا کی کرامت سے متاثر ہوکر اُن کی خدمت میں رہنے کے طلب گار ہیں۔یعنی گاؤں والوں میں بابا کی کرامت کے چرچے یہ دونوں کریں گے۔)

فرقان: دیکھو سامنے سے ایک عورت آرہی ہے۔عورتیں کمزور اعتقاد والی ہوتی ہیں۔کسی بات پر جلد بھروسا کر لیتی ہیں وہ جلد ہی ہمارے آنے کی خبر پورے گاؤں میں نشر کر دے گی۔وہ قریب آرہی ہے ایاز شروع ہو جاؤ۔

ایاز: چمتکار چمتکار یہ کیا کر دیا آپ نے، یہاں دعا مانگی وہاں کام بن گیا۔

ارحان: یا بابا بہت پہنچے ہوئے ہیں۔بڑی کرامت ہے اُن کی ہر طرف اُن کے چرچے ہیں۔

ایاز: (جیب سے کچھ روپے نکالتے ہوئے) بابا معمولی سا تحفہ ہے رکھ دیجیے۔

ارحان: (غضب ناک ہوکر) یہ کیا کر رہے ہو بابا کو اِن چیزوں کی ضرورت نہیں، تمھارا کام ہو گیا جاؤ۔

فرقان: ارے روپے لے لو نہیں تو وہ عورت سمجھے گی بابا فری میں کام کرتے ہیں۔ہمارا مقصد ہی ادھورا رہ جائے گا۔

افضل: (آنکھیں کھول کر) فرقان خاموش رہو کام نہ بگاڑو۔

ارحان: (افضل کی چٹکی لیتے ہوئے) تم آنکھیں نہ کھولو۔اور خاموش بیٹھو۔

ایاز: نہیں نہیں ایسا نہ کریں یہ میری خوشی ہے۔اور کچھ دنوں کے لیے مجھے آپ ساتھ رہنے کی اجازت دیجیے۔

ارحان: (مودب انداز میں جھک کر) کیا خیال ہے حضرت کا

افضل: (ہاتھ اُٹھا کر) اجازت ہے۔

(وہ عورت جو یہ سب کھڑی دیکھ رہی تھی۔اور قریب آ کر کھڑی ہوتی ہے)

عورت: بابا مالک نے کام سے نکال دیا ہے۔میرے لیے دعا کریں کہ مجھے جلد کام مل جائے۔

فرقان: (ایاز کے کان کے قریب) بابا کو کام ہوتا تو یہاں کیوں نظر آتے۔

افضل: (گلا کھنکھارتے ہوئے) جاؤ بیٹی جاؤ اوپر والا کام بنا دے گا۔

عورت: (خوش ہو کر) ہاں ہاں بابا دعا کرو میرا کام بن جائے۔

(کہہ کر چلی جاتی ہے)

ایاز: اب جلد ہی یہ عورت سارے گاؤں میں نشر کر دے گی۔

ارحان: اگر یہاں موقعہ ملا تو ہم یہیں رہ جائیں گے۔فرقان اور ایاز تم لوگوں میں گھل مل جاؤ اُن کی کیا کیا پریشانیاں اور مسائل ہیں اُس پر نظر رکھو۔اور ہم نے جو کوڈ ورڈ بنائے ہیں انھیں یاد رکھو۔

ایاز۔ ہم نے ایسے خفیہ نمبر بنائے ہیں جس سے افضل آسانی کے ساتھ سب کے مسائل سمجھ سکتا ہے۔جیسے ایک نمبر نوکری کے لیے۔

افضل: ہاں اسے پہلے نمبر پر ہی رکھو تا کہ ہمیں بھی یاد رہے کہ ہم بھی بے روزگار ہیں۔

ارحان: (ہنس کر) بابا مایوسی اچھی نہیں اب ہم کمانے والے ہونے جا رہے ہیں۔

افضل: اور سنو دن بھر نمبر مت پکارتے رہنا۔صبح ہماری عبادت کا وقت ہوگا فجر کے بعد ہم اپنے کام کریں گے۔پھر ۱۱ بجے سے تو ۲ بجے تک بیٹھک پھر ایک گھنٹہ وقفہ پھر ۳ بجے سے تو ۶ بجے تک بیٹھک اُس کے بعد مکمل آرام، وہ وقت ہمارا ہوگا۔

ارحان: ہاں اگر ہمیں کہیں جانا ہو بازار سے کچھ لانا ہو تو صبح و شام کے وقت میں کر سکتے ہیں۔

فرقان: لوگ صبح سے ہی آنے شروع ہوں گے تو ہم اُن سے بات چیت کر کے ان کے مسائل پوچھ لیں گے پھر انھیں نمبر وار افضل کے پاس بھیج دیں گے۔

افضل: ہاں یہ یاد رکھو یہ صندوق جو ہے میں نے خاص کر اسی لیے بنائی ہے اس کے اوپری خانہ سے روپے اندر جمع ہوں گے پھر ہم وہ رات میں گن کر رکھیں گے۔

ایاز: (دور دیکھتے ہوئے) ارے دیکھو وہ عورت آرہی ہے۔

(وہ عورت اور اس کے ساتھ دو مرد اور ایک عورت ہیں۔ جو عورت پہلے آئی تھی۔ اُس سے دوسری عورت جو کہ مالکن ہے کہتی ہے)

مالکن: شبانہ یہی ہے کیا وہ بزرگ جن سے تم نے دعا کے لیے کہا تھا۔

شبانہ: ہاں (کہہ کر بابا سے) بابا آپ تو بہت ہی پہنچے ہوئے ہیں۔ یہاں دعا کی وہاں کام بن گیا۔ یہ میری مالکن اور مالک ہے ہمارے گاؤں کے زمین دار آپ سے ملنے آئے ہیں۔

زمیندار: بابا آپ ہمارے گاؤں چلیے۔ ہمیں خدمت کا موقعہ دیں۔

مالکن: میں تو سُن کر دنگ رہ گئی۔ کسی غلط فہمی کی وجہ سے میں نے شبانہ کو کام سے نکال دیا تھا وہ چلی گئی اور اُسی وقت میری غلط فہمی دور ہوئی۔ جب میں نے اسے بلایا تو اُس نے بتایا کہ بابا کی دعا سے یہ سب ہو گیا۔ آپ ہمارے یہاں قیام کریں۔ ہمارے گاؤں کو یہ شرف بخشیں۔

ارحان: بابا کہیں رُکتے نہیں یہاں تھوڑی دیر کے لیے رُک گئے تھے۔

افضل: (اور کسی کے کچھ کہنے سے پہلے بابا نے آنکھیں کھول کر کہا) بیٹی کا دِل نہ ٹوٹے۔ کچھ دن ہم اس گاؤں میں گزاریں گے۔

شبانہ: بابا آج شام کی مہمانی مجھ غریب کو عطا کریں۔

مالکن: ہاں رہنے کا بندوبست ہماری حویلی میں ہوگا۔

افضل: (کچھ سوچتے ہوئے) نہیں بیٹی ہم درویش حویلی میں نہیں رہتے۔

زمیندار: ہماری حویلی کے پیچھے ہمارا مہمان خانہ ہے وہاں آنے جانے کا راستہ بھی الگ ہے آپ وہاں قیام کریں۔

افضل: اللہ کے گھر کے فقیر ہیں کیا ہماری ضرورتیں تمھارا دل نہ ٹوٹے اس لیے چند دن قیام کریں گے۔

(گاؤں پہنچنے کے بعد پہلے سے ہی سب انتظام ہوگیا تھا۔ شبانہ کے گھر کے باہر لوگ جلوس کی شکل میں بابا کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ چاروں یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ شبانہ کے گھر سے کھانا کھا کر وہ لوگ زمیندار کے مہمان خانہ میں چلے گئے۔)

تیسرا منظر

(باہر کے بیٹھک کے کمرے میں لوگوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا جہاں وہ اپنی باری کا انتظار کرتے، درمیان کے کمرے میں بچھی دری پر افضل بیٹھا تھا۔ اُس کے ایک طرف ارحان کھڑا تھا ارحان کے نزدیک ہی صندوق رکھی تھی۔ ایاز اور فرقان اندر باہر آ جا رہے تھے۔ پورے گھر میں عود کی خوشبو پھیلی تھی۔ اور اندر کے کمرے میں سفید چادریں شبانہ نے بڑی صفائی سے بچھائی تھی جس سے ماحول نورانی ہوگیا تھا۔)

ایاز: گاؤں کے لوگ کمزور اعتقاد کے ہوتے ہیں۔ بیمار بھی ہوئے تو شک کرتے ہیں کہ کسی نے کر دیا۔ آپسی خاندانی جھگڑا، اولاد نہ ہو تو پریشانی، اولاد نالائق ہو تو پریشانی، تو کوئی زمین کے مقدمہ میں پھنسا ہے وغیرہ وغیرہ

فرقان: افضل تم یاد رکھو نمبر (1) نوکری کے لیے (2) اولاد کے لیے (3) اولاد فرمانبردار بننے کے لیے (4) ساس بہو کا جھگڑا (5) مقدمہ (6) بیماری یا کرنی وغیرہ۔ ابھی میں باہر جاتا ہوں بہت لوگ آ گئے ہیں سب کو نمبر زور سے پکار کر بھیجتا ہوں۔ اب تم ہمارے لیے بھی بابا ہو۔

ایاز (باہر جا کر) چلو لائن سے بیٹھو میں سب کو نمبر سے بھیجتا ہوں۔

ایک بوڑھی: اے بیٹا میں سب سے پہلے آئی تھی صبح سے بیٹھی ہوں میرا پہلا نمبر لگا دیں۔

فرقان: دیکھو مائی تمھارا کام تو چار نمبر کا ہے۔ (اپنا سر پیٹتے ہوئے) اف شور نہ کرو ورنہ بابا مراقبہ میں چلے گئے تو سب کو واپس جانا ہوگا۔ میں برابر جس نمبر سے کہوں جاؤ گی تو کام بن جائے گا۔

بوڑھی: (خوش ہو کر) ہاں بیٹا تم جب کہو میں جب جاؤں گی بس میرا کام بن جائے۔

ایاز: چلو نمبر ایک

بابا: مت پریشان ہو بچہ مل جائے گی نوکری

ارحان: (بڑبڑاتے ہوے) جیسے ہمیں مل گئی۔

آدمی: یااللہ بن کہے ہی آپ جان گئے۔

بابا: جاؤ بیٹا جاؤ کام بن جائے گا اللہ مالک ہے۔

ایاز: نمبر دو

بابا: کیوں پریشان ہے بیٹی، اللہ اولاد بھی دے گا کیوں مایوس ہوتی ہے۔

عورت: بابا آپ سب جان گئے ناساس طعنہ دیتے رہتی ہے دعا کریں۔

بابا: اللہ مالک ہے تو بیٹی بن کر خدمت کر اللہ اولاد دے گا۔

عورت: جیسا آپ کہیں ویسا ہی کروں گی۔

ایاز: نمبر تین

بابا: کیا کریں اولاد ہے مگر نافرمان سنتی نہیں

بوڑھا: (دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر) کرامت ہے کرامت ہے سب جان گئے بابا، بہت پریشان ہوں میں نالائق اولاد سے

بابا: بچہ ہے پیار سے سمجھاؤ، اچھی تربیت کی ہوتی تو آج یوں نہ روتے، اب بھی وقت ہے اسے دین کی تعلیم دو تو والدین کا ادب کریں گا۔

بوڑھا: آپ کی بات سر آنکھوں پر میں سمجھ گیا۔ میری ہی غلطی ہے تربیت ڈھنگ سے نہ کی، جو آپ کہے وہی کروں گا۔

ایاز: چار نمبر

بابا: بہو سے پریشان ہو بہت ستاتی ہے۔ پہلے تم نے ستایا ہوگا۔

بوڑھی: (منہ پر ہاتھ مار کر) اللہ توبہ میری توبہ میں بس کبھی کبھار نصیحت کرتی تھی۔ میں کہاں اسے ستاتی تھی۔ آپ تو سب جان گئے۔ بس اب ایسا کروں کہ میرے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

بابا: جامائی جا اللہ رحم کریں تو آج سے اُسے اپنی بیٹی سمجھ تیری مشکل حل ہو جائے گی۔

بوڑھی: اچھا اچھا آپ کی بات سؤلہ آنے سچ میں ایسا ہی کروں گی۔

ایاز: نمبر پانچ

بابا: پھنس گیا مقدمہ میں پھنس گیا، زمینوں کا جھگڑا! کیا ہوگا اللہ دنیا کے لوگوں کا مال وزر کے لیے لڑے جا رہے ہیں۔

آدمی: جان گئے بابا میری پریشانی جان گئے۔صرف تاریخ پر تاریخ کوئی حل نہیں دعا کرو، بہت پریشان ہوں۔

بابا: آپس کے جھگڑے آپس میں سلجھاؤ۔ کیوں کورٹ کچہری میں پڑتے ہو۔ جاؤ لوگوں کا بھلا کرو۔ سب کے ساتھ انصاف کرو اللہ بھی تمھارے ساتھ انصاف کرے گا تمھارا بھلا کرے گا۔

آدمی: ہاں ایسا ہی کروں گا، ایسا ہی کروں گا۔

(روز لوگ آتے جاتے ہیں۔صندوق میں کچھ نہ کچھ ڈال کر جاتے ہیں ایک ہفتہ کے اندر ہی وہ لوگ مشہور ہو گئے)

ارحان: واہ واہ! ایک ہفتہ میں ہی اس قدر کمائی واہ

فرقان: اور ہماری شہرت بھی دور دور تک پھیل رہی ہے۔دور پاس کے گاؤں اور شہر کے لوگ بھی آرہے ہیں۔

افضل: فرقان تم پہلے روپے لے کر گھر جاؤ اور بہن کی شادی کا انتظام کرو۔

فرقان: نہیں پہلے چاروں میں تقسیم کرو پھر میں اپنا حصّہ گھر دے آؤں گا۔

ایاز: فرقان افضل ٹھیک کہہ رہا ہے۔اسی طرح تمھاری ضرورت پوری ہو جائے گی۔

افضل: ہاں ہم میں سے ہر ہفتہ کوئی ایک باری باری گھر جائے گا۔ ہفتہ بھر کے جمع روپوں کے ساتھ تو گھر والے بھی خوش ہم گھر جا کر اپنی ضروریات کی چیزیں لائیں گے۔

ایاز: اور افضل جس دن تم جاؤ گے اُس دن یہ سب کام بند، بابا مراقبہ میں ہیں دو دن باہر نہیں آئیں گے۔

(تینوں ہل کر ہنستے ہیں)

ارحان: لوگ بہت پریشان ہیں۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ اُس کے کام کا فوراً حل نکل آئے۔ اسی لیے بابا کے آستانے پر آتے ہیں۔

افضل: ہمیں چاہیے کہ ہم اُن کا کچھ نہ کچھ بوجھ کم کریں تا کہ اُن کے مسائل کچھ حد تک کم ہو جائیں۔

ایاز: ہاں تا کہ ہمارے ضمیر کا بھی کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے۔ افضل زمیندار تمھیں بہت مانتا ہے۔ اُس کے آدمی لوگوں کو تنگ کرتے پھرتے ہیں تم اُس کو سمجھاؤ۔

فرقان: ہاں اُس کا بیٹا بھی اچھا لڑکا ہے ہمارے سمجھانے پر سمجھ جائے گا۔ اسے اس بات پر مجبور کریں کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کریں تا کہ وہ زمینوں کے جھگڑے عدالتوں تک نہ گھسیٹے وہاں جانے کے بعد صرف عدالتوں کے چکر ہی لگتے ہیں۔

افضل: ہاں ہم سب مل کر یہی کوشش کریں گے جہاں تک ہو سکے ہمارے ہاتھوں گاؤں والوں کا بھلا ہی ہو۔

(گاؤں سے باہر شہر تک بابا کے چرچے ہر طرف ہونے لگے۔ گاؤں کے لوگوں میں اُن کی بہت عزت تھی۔ زمیندار بھی بہت مانتا تھا۔ اُن کے آنے سے گاؤں کا ماحول اچھا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ لوگ بھی باری باری اپنے گھر جا رہے تھے۔ ایک دو جگہ سے نوکری کی اچھی امید بھی ہوئی تھی۔

چوتھا منظر

(گھر کے باہر ہمیشہ کی طرح لوگ لائن سے باری کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ فرقان مچھر کو بھگانے کے لیے دھواں کر رہا ہے۔ فرقان کو لوگوں میں افضل کی دادی اور ماں بھی جو بابا کی کرامت سُن کر آئے ہیں نظر آتے ہیں۔ فرقان انھیں دیکھ کر گھبرا کر اندر کی طرف دوڑتا ہے۔)

فرقان: غضب ہو گیا افضل اب کیا ہوگا۔

ارحان: کیا ہو گیا کیا کوئی بھوت دیکھ لیا۔ جو یوں گھبرا رہے ہو۔

فرقان: بھوت دیکھ لیا ہوتا تو اتنا پریشان نہ ہوتا۔ باہر لوگوں میں افضل کی امّی اور دادی بھی بابا سے ملنے اپنی باری کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔

افضل: (گھبرا کر) یہ کیا کہہ رہے ہو۔ یا اللہ اب میں کیا کروں۔

ایاز: اوفو اب اس قدر کیوں گھبرا رہے ہو۔ تمھارا حلیہ تو کافی بدلا ہوا ہے۔ وہ تمھیں نہ پہچان پائیں گے۔ آواز بدل کر بات کرنا۔ مجھے تو وہ نہیں جانتی، رہے فرقان اور ارحان تو تم دونوں آدھا

چہرہ مفلر سے ڈھانپ لو۔

افضل: وہ تمھیں نہیں جانتی اس لیے تم مشورہ دے رہے ہو۔ میں نہیں بنتا بابا اگر دادی کو ذرا بھی شک ہوا تو وہیں سے جوتا پھینک مارے گی۔

فرقان: باہر لوگ شور کر رہے ہیں۔ میں پہلے دادی کو ہی بھیجتا ہوں۔

افضل: اب ایسا غضب بھی نہ کرو۔ انھیں سب سے آخری میں بھیجو تاکہ میں حوصلہ پیدا کروں۔

ایاز: اور آخر میں نمبر آنے پر دادی کا حوصلہ نہ ٹوٹ جائے۔ اور وہ سیدھا اندر نہ آ جائے۔ میں انھیں دو چار لوگوں کے بعد بھیجتا ہوں۔

(نمبر وار لوگ اندر آ جا رہے ہیں۔ بابا کی دعا لے کر پیٹی میں روپے ڈال کر چلے جاتے۔ آج کسی (چاروں دوست) کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اپنے گھر والوں کو پھنسانا دغا دینا۔ مگر سب مجبوری میں اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ دادی اور امّی اپنی باری پر اندر آتے ہیں۔ افضل خاموش بیٹھا ہے۔)

دادی: کب سے انتظار میں بیٹھی ہوں بابا آپ کی بڑی کرامت سنی تھی۔ بڑے چرچے شہر میں آپ کے پاس اپنے پوتے کے لیے آئی ہوں۔ شہر سے باہر نوکری کرتا ہے مہینہ میں ایک ہی بار گھر آتا ہے اور ڈھیر سارا روپیہ ساتھ لاتا ہے۔ آپ پتہ کریں کہیں چور ڈاکو کے ساتھ تو نہیں جڑ گیا۔

افضل: (تڑپ کر) یہ کیا کہہ رہی ہو دادی میں کیا ڈاکہ ڈال رہا ہوں۔

دادی: (دادی حیرت سے) ہیں بہو یہ افضل کی آواز کہاں سے آئی۔

ارحان: مائی یہ بابا کی کرامت ہے کہ تمھیں یہاں بیٹھے ہوئے اپنے پوتے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ تم اِدھر اُدھر دھیان نہ دو اپنی بات پوری کرو۔

دادی: واہ بڑے اللہ والے ہیں۔ میں چاہتی ہوں بابا کہ بچّہ گھر میں ہی رہے اپنے شہر میں ہی کمائے۔ مجھے اب اُس کی شادی بھی کرنی ہے۔

افضل: (خوشی سے) کیا کہا دادی میری شادی لڑکی کب دیکھی آپ نے

امّی: (افضل کی امّی جو کب سے یہ سب دیکھ رہی تھی وہ کہہ اُٹھی) اماں یہ تو اپنا افضل ہی ہے۔

ارحان: (گھبرا کر) نہیں بیٹی یہ بابا کی کرامت ہے کہ تم کو اُن میں اپنا بیٹا دکھائی دے رہا ہے۔

دادی: (نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں بہو کو دیکھتی ہے) کیا کہا بہو؟

(اسی وقت دادی کے پیر کو مچھر کاٹتا ہے دادی بے چین ہو کر اپنے پیر کے پاس ہاتھ لے جا کر اسے مارنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور افضل کو یہ لگتا ہے کہ دادی اسے مارنے کے لیے چپل نکال رہی ہے۔ اس کے حواس قابو میں نہ تھے ورنہ وہ سمجھ جاتا کہ لوگ اندر آتے وقت اپنے چپل باہر ہی نکال کر آتے ہیں)

افضل: (جا کر دادی کے پیر پکڑ لیتا ہے) دادی مارو مت مجھے معاف کرو۔

دادی: (ابھی بھی نا سمجھی کی حالت میں کہتی ہے) بابا یہ آپ کیا کر رہے ہیں مجھ گنہگار کے پاؤں چھوڑیے۔

ارحان: یہ کیا کیا تو نے دادی نے تجھے نہ پہچانا۔

امّی: مگر میں نے پہچان لیا۔

(اب دادی کی سمجھ میں سب آ گیا)

دادی: اچھا تو یہ تم لوگ ہو جو لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہو۔ شرم نہیں آتی، میں تو اصل پیر سمجھ کر اتنی دور سے آئی تھی۔ پر اچھا ہوا تمھارا راز کھل گیا۔ اب میں یہاں نہیں باہر سب کے سامنے تمھیں جوتے لگاؤں گی۔

ارحان اور افضل: (گڑگڑاتے ہوئے) اب ایسا بھی غضب نہ کرنا دادی یہاں ہماری بہت عزت ہے ہم یہ سب چھوڑ کر گھر آتے ہیں۔ ابھی آپ گھر چلی جائیں۔

دادی: نہیں چلو باہر لوگوں سے معافی مانگو۔

(جیسے ہی یہ لوگ باہر آتے ہیں۔ بابا آ گئے بابا آ گئے کا شور اُٹھتا ہے)

دادی: (چڑ کر) ارے کیوں شور کر رہے ہو کہاں کا بابا یہ تو میرا پوتا ہے۔

(لوگوں میں باتیں ہوتی ہیں سب کو پتہ چل جاتا ہے۔ انتظار میں بیٹھے ہوئے میں سے ایک شخص جا کر دادی کے پاس کھڑا ہوتا ہے)

ایک آدمی: دیکھئے بڑی بی آپ شاید بہک گئی ہیں یہ کیا بکھیڑا کھڑا کیا، میں صبح سے اپنی باری کا انتظار کرر ہا ہوں۔ آپ نے یہ کیا افواہ پھیلا دی ہر کوئی ایسے بزرگوں کا رشتہ دار بننے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

افضل: (دادی کی بے عزتی پر) آپ چپ رہیے۔ اور سب لوگوں سے گزارش ہے کہ سب چلے جائیں۔

وہی آدمی: ایسا غضب مت کرنا بابا، میں بہت مصیبت میں ہوں، میرا کام کر دو۔

(اسی وقت زمیندار بھی آتا ہے۔ ساتھ میں اس کی بیوی اور شبانہ بھی ہیں)

دادی: دیکھا اپنے کرتوتوں کا انجام، پریشان حال لوگوں کو دھوکہ دیا تم لوگوں نے

شبانہ: اماں بابا سے کچھ نہ کہیں ان سے ہمیں بہت فائدہ ہوا ہے۔

زمیندار: ہاں یہ تو صحیح ہے کہ انھوں نے ہمارے گاؤں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ بلکہ ان سے ہمارے گاؤں کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ بہت سے مسائل حل ہوئے۔

دادی: مگر غلط راستے سے فائدہ پہنچایا لوگوں کو بے وقوف بنایا۔

(چاروں سر جھکا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو ابھی بھی اس بات کا یقین نہیں آ رہا ہے، بابا کی بے عزتی اُن سے برداشت نہیں ہو رہی ہے وہ شور کرتے ہیں کہ ہم بابا سے سننا چاہتے ہیں)

کئی آدمی ایک ساتھ: کوئی بابا کی بے عزتی نہ کریں۔ بابا آپ بتائیں سچ کیا ہے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

افضل: دیکھو بھائیو اور میرے بزرگو میں کوئی پیر بابا نہیں ہوں۔ ہم چاروں دوست بے روزگار تھے۔ ہم نے یہ راستہ کیوں اپنایا۔ ہم مالی طور پر قلاش تھے گھر والے چاہتے تھے کہ ہمیں بڑی نوکری ملے وہ ہمیں غلط سمجھ رہے تھے کہ ہم کوشش ہی نہیں کر رہے ہیں۔ آج ہم ہی نہیں ہماری طرح ہزاروں نوجوان اچھی نوکری کے لیے دھکے کھا رہے ہیں۔ مگر سفارش اور رشوت کی وجہ سے ناکام ہو رہے ہیں۔

زمیندار: ہاں تم نے یہ بات صحیح کہی مگر راستہ غلط اپنایا۔ یہ شارٹ کٹ غلط ہے جس میں معصوم لوگوں کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ ایسے شارٹ کٹ اپنانے سے بہتر

جب تک اچھی نوکری نہیں لگتی کوئی چھوٹی موٹی نوکری کریں تا کہ گھر کے حالات کچھ بہتر ہوسکیں اور اماں ان سے ہمیں بھی یہ سیکھ ملی کہ گھر میں جب تک لڑکوں کو نوکری نہیں ملتی انھیں طعنہ نہ دیں اُن کا حوصلہ بڑھائیں اور اس طرح نام نہاد بابا کے پاس جا کر اپنی آمدنی کو برباد نہ کریں۔

دادی: تم نے سچ کہا بیٹا بابا کی شہرت سُن کر ہم بھی یہاں آ گئے کوئی تحقیق بھی نہیں کی کہ کوئی ڈھونگی ہے یا اصلی اللہ والے ہیں، بس سب سے سنا اور آ گئے اپنی حلال کمائی لٹانے کے لیے

زمیندار: یہ آپ کے اکیلے کی نہیں ہم سب کی غلطی ہے ہم نے بھی انھیں پہنچے ہوئے سمجھ لیا۔ آج کل ہر کوئی پریشان ہے اسی لیے جہاں پہنچے ہوئے بزرگ کی خبر ملتی ہے لوگ دوڑ پڑتے ہیں۔ (چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے) اور تمھاری سزا یہ ہے کہ اس گاؤں میں آتے رہو۔ اچھا لگا تو یہیں نوکری کرلو، تا کہ ہم بھی بابا سے فیضیاب ہوتے رہیں۔

(سب ہنستے ہیں۔)

(پردہ گرتا ہے)

پاگلوں کی انجمن

(سماج میں ہونے والی ناانصافی، جھوٹ، فریب اور بڑھتی ہوئی رشوت خوری (کرپشن) کی وجہ سے ہونے والی سماجی خرابیوں پر یہ ڈرامہ ایک طنز ہے جو مزاحیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے تمام کردار فرضی ہیں۔)

پاگل خانے کے ایک کمرے کا سین ہے جہاں چند پاگل جن میں ڈاکٹر، لیڈر، طالب علم، استاد، وکیل، ڈائرکٹر اور شاعر اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں۔ ایک نرس ایک شخص کو لے کر کمرے میں داخل ہوتی ہے۔

رپورٹر: سنو۔

نرس: سناتے رہو۔

رپورٹر: جی میں آدھی رات کا رپورٹر ہوں۔

نرس: دن میں کیوں آئے ہو۔

رپورٹر: میں آدھی رات نیوز پیپر کا رپورٹر ہوں۔ یہاں سب کا انٹرویو لینے آیا ہوں۔

نرس: پہلے میرا انٹرویو لو۔

رپورٹر: نہیں پہلے میں اِن سب کا انٹرویو لوں گا۔

نرس: (ایک پاگل کا تعارف کراتے ہوئے) ان سے ملیے یہ ہے ہمارے شاعر صاحب

رپورٹر: کچھ سنائیے۔

شاعر: آیا آیا

نرس ور پورٹر: (گھبراتے ہوئے) کیا آیا۔ کیا آیا؟

شاعر: ایک شعر آیا

سب مل کر: ارشاد

شاعر: (اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے) ارشاد کہاں ہے؟

سب مل کر: شعر کہیے۔

شاعر: خون چوسا مہنگائی نے

سولی پر چڑھایا بہن کی سگائی نے

نوکری ملنے نہ دی رشوت نے

شاعری کرنے نہ دی قسمت نے

پھر بھی میں ایک شاعر ہوں　　نئے زمانے کا کائر ہوں

سب مل کر: واہ۔ واہ۔ واہ

شاعر: ایک دن۔ ۔ایک دن

ایک دن کامیاب ہوجاؤں گا　　اپنا دیوان خود بناؤں گا

ایک پاگل: کوئی نہیں بنائے گا۔ میں بناؤں گا۔ حکومت میں بناؤں گا۔

رپورٹر: یہ کون ہے؟

نرس: یہ ہیں ہمارے لیڈر صاحب۔

رپورٹر: میں آپ کا انٹرویو لوں گا۔

لیڈر: میں سوائے وعدے کے کچھ نہ دوں گا اور اپوزیشن پارٹی کے ہو تو بات بھی نہیں کروں گا۔

رپورٹر: سنیے سنیے۔ آپ کا انٹرویو نیوز پیپر میں آئے گا۔

لیڈر: اچھا پیپر میں آئے گا۔

رپورٹر: آپ عوام سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

لیڈر: میرے بھائیو اور بہنو! ہم سب کو مل کر اس دیش سے غریبی کو ہٹانا ہے (کہتے ہوئے

نرس کو درمیان سے ہٹاتا ہے اور ایک جگہ بیٹھاتا ہے) دوسری پارٹیوں سے بچتے رہو۔ ورنہ پاگل ہو جاؤ گے۔ میں سب کو نوکری دوں گا۔

سب مل کر: اونیتا جی بند کرو بھاشن

پہلے جنتا کو دو راشن

لیڈر: (گھومتے ہوئے) سب کو دوں گا۔ سب کو دوں گا۔

ایک پاگل درمیان میں: پہلے مجھے دو۔ پہلے مجھے دو۔

لیڈر: چپ رہو۔ مجھے کچھ کہنے دو۔ بولنے دو۔ یہ سب سے آسان کام ہے۔ کام کرنے سے وقت برباد ہوتا ہے۔ جب جب وقت پڑے میں آؤں گا۔ آپ کا ووٹ لے جاؤں گا۔

ایک پاگل: مجھے بھی کچھ کہنا ہے۔

نرس: یہ ایک طالب علم ہے۔

رپورٹر: کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

طالب علم: کتابوں نے یہ حال کیا ہے، پاگل خانے پہنچایا ہے۔ کیا پڑھ لکھ کر بھی کسی کا بھلا ہوا ہے؟ بڑی بڑی ڈگریاں لے کر بے روزگار پھر رہے ہیں نوجوان۔

رپورٹر: پھر کیا کرو گے؟

طالب علم: کھیل کود کر اسپورٹ میں جاؤں گا۔

نہیں تو گا گا کر سنگر بن جاؤں گا۔

نہیں تو ناچ ناچ کر ڈانسر بن جاؤں گا۔

اور اگر۔۔۔اور اگر کچھ نہ بن سکا تو

ٹکٹ لے کر الیکشن میں کھڑا ہو جاؤں گا۔

سب مل کر: بیٹھ جاؤ۔ اے بیٹھ جاؤ۔

ایک پاگل: میرے پاس آجا میں تجھے اچھا سا رول دوں گا۔

نرس: میرے رول کا کیا ہوا ڈائرکٹر صاحب

ڈائرکٹر: تم ابھی اسکرین ٹیسٹ دو۔ لائٹ کیمرہ۔۔۔ ایکشن!

نرس: واشنگ پاؤڈر شرما۔۔ لے لو ورنہ کڑوی دوا کھلاؤں گی۔ انجکشن لگاؤں گی۔

(سب پاگل ڈر کر ایک طرف ہوتے ہیں)

رپورٹر: آپ یہاں کیا کر رہے ہو؟

ڈائرکٹر: میں فلاپ فلموں کا ڈائرکٹر ہوں۔ میری فلموں میں سماج کے لیے نصیحت ہوتی تھی۔ ان میں ناچ گانے کا مرچ مسالہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ عوام کو پسند نہیں آئیں۔ فلموں کے لگاتار فلاپ ہونے کے بعد میں یہاں آ گیا ہوں۔ میں پاگل ہوں۔ میں فلاپ فلموں کا ڈائرکٹر ہوں۔ میرے ساتھ عوام نے انصاف نہیں کیا۔

ایک پاگل: میں تمھیں انصاف دلاؤں گا۔ میں تمھارا کیس لڑوں گا۔ میں وکیل ہوں۔

رپورٹر: وکیل صاحب آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔

وکیل: ڈگری لے کر وکالت کی عوام کی بھلائی کی خاطر

خوشی سے آیا عدالت میں لے کر نئی امنگ

جھوٹ ورشوت کی وجہ سے انصاف کا ہوا خون

وکیلوں اور ججوں کی عیاری دیکھ کر رہ گیا میں دنگ

سب مل کر: پھر کیا ہوا۔ پھر کیا ہوا۔

وکیل: اپنے سچ کی وجہ سے میں لگاتار کیس ہارا تاریخ پہ تاریخ لے کر بن گیا بے چارا

سب مل کر: پھر کیا ہوا۔ پھر کیا ہوا۔

وکیل: پھر کیا ہونا؟

ان سب کالے دھندوں سے آ گیا میں تنگ

پاگل کا لیبل لگا کر ہو گیا تمھارے سنگ

کیا میں جھوٹ بولا؟

سب مل کر: نہیں نا نہیں نا (سب مل کر شور کرتے ہیں)

ایک پاگل: خاموش۔ خاموش کہاں ہے میری چھڑی؟ سب کو ایک ایک چھڑی ماروں گا۔

رپورٹر: آپ کی تعریف؟

پاگل: تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا۔ بندہ ان سب کا استاد ہے۔(سب کی طرف اشارہ کر کے) چلو سب لائن سے بیٹھ جاؤ۔

ہاتھ اوپر، ہاتھ نیچے۔ شاباش

رپورٹر: آپ یہاں کیسے؟

استاد: ہم یہاں خوشی سے نہیں آئے بلکہ زبردستی لائے گئے ہیں۔

کبھی مردم شماری، تو کبھی الیکشن کی تیاری

سرکار کے ہر کام کے لیے استاد ہی کی باری

اور بھئی استاد ہو کر کسی کو نصیحت نہ کریں۔ تربیت نہ کریں تو کیا کریں!

وہ لیڈر کا بیٹا اسے کچھ نہ کہنا

وہ بڑا افسر اس سے ڈر کر رہنا

اور تو اور

شرارتی بچوں نے کیا مجھ کو گھائل کوئی میرا علاج کراؤ میں ہوں پاگل

ایک پاگل: (ہاتھ میں انجیکشن لے کر آتا ہے) میں ڈاکٹر ہوں، میں تمھارا علاج کروں گا۔

(سب پاگل ڈر کر ایک طرف کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

رپورٹر: ڈاکٹر صاحب میں یہاں سب کا انٹرویو لینے آیا ہوں۔

ڈاکٹر: اِدھر آؤ، دانت میں درد ہے منہ کھولو۔ کھانسی آرہی ہے۔ بخار ہے، چلو لیٹ جاؤ۔(دوسروں کو ہاتھ سے اشارہ کر کے پکڑنے کے لیے بلاتا ہے)

رپورٹر: مجھے کچھ نہیں ہوا۔ آپ کی یہ حالت کیسے ہوئی؟

ڈاکٹر: میں ڈاکٹر ہوں۔ محنت کر کے پڑھائی کی۔ ایڈمیشن کے لیے لاکھوں کی جائداد بیچ دی۔ ہاں۔ تب بنا ہوں ڈاکٹر

کسی کو ہارٹ، یا سرطان یا کسی کو شکر

بڑے بڑے ٹیسٹ سے چلا بچ کر

زبردستی کر نہ سکا کسی کو بیمار

اپنی ایمانداری سے تھا لاچار
کوئی مریض نہیں میرے دواخانے میں
اور میں آ گیا ہوں پاگل خانے میں

(شاعر اور سب مل کر واہ واہ کا شور کرتے ہیں۔ تب کمرے میں پاگل خانے کا نوکر آتا ہے)

نوکر: اے پاگلوں! یہ کیا شور مچا رکھا ہے۔؟ خاموش (رپورٹر کی طرف دیکھتے ہوئے) یہ تم نے آتے ہی کیا ہنگامہ برپا کیا تم تو آج ہی پاگل خانے میں داخل ہوئے ہو۔ چلو ادھر بیٹھ جاؤ۔

رپورٹر: میں رپورٹر ہوں۔ آدھی رات نیوز پیپر کا رپورٹر ہوں۔

سب مل کر: یہاں کیوں آئے ہو؟ یہاں کیوں آئے ہو؟

رپورٹر: میں سچ کی راہ پر چلنے والا، حقیقت کو عوام کے سامنے لانے والا ایک رپورٹر ہوں۔
سچ کہے بغیر میں رہ نہ سکا
اور سچ کو کوئی سہہ نہ سکا
کھول دی میں نے سب کی پول
سب نے مل کر بجایا میرا ہی ڈھول
ہاں میں پاگل ہوں۔ میں پاگل ہوں۔ (سب اس کے قریب آ کر شور کرتے ہیں۔ ہاں میں پاگل ہوں)

نوکر: خاموش! خاموش!

یہ سب ہمارے سماج کے وہ شہری ہیں جو سماج کی بھلائی میں کوشاں رہتے ہیں۔ مگر سماج میں ہونے والی برائیوں سے، رشوت خوری سے، ڈونیشن و بے روزگاری اور بے ایمانی سے ان کی یہ حالت ہوئی ہیں۔ اُٹھو نوجوانو! ہمت مت ہارو۔
آؤ عہد کریں ہم

(سب اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سب مل کر ایک ساتھ کورس میں گاتے ہیں)

آؤ مل کر عہد کریں ہم مٹائے اپنے ملک سے
بے روزگاری، ناانصافی، رشوت خوری اور بے ایمانی
سچ اور انصاف کی راہ پر چلیں سب، ہم ہیں ہندوستانی

ایک دیا جلائے رکھنا

(اسجد ایک نیک اور محنتی لڑکا تھا۔ دسویں جماعت میں اپنی اسکول میں اوّل نمبر سے پاس ہوا تھا۔ اب کالج میں پڑھتا ہے۔ گھر میں امّی اور چھوٹی بہن تھی۔ ابّا کا انتقال ہوئے چار سال ہوئے تھے۔ آبائی گھر تھا۔ ابّا کی پینشن اور امّی کے کپڑے سینے سے گزارا ہو جاتا تھا۔)

اسجد: امّی رات بہت ہوگئی ہے۔ اب آپ سو جائیں۔ باقی کام کل کر دیجیے گا۔

امّی: بیٹے تم سو جاؤ میری فکر نہ کرو، بس تھوڑا سا کام باقی ہے۔ کل ڈاکٹر صاحب کے یہاں تقریب پر اُن کی بیٹی کو یہ فراک پہننا ہے۔ میں نے اُن سے وعدہ کیا ہے۔ اسی لیے میں مکمل کر کے ہی اٹھوں گی۔

اسجد: امّی آپ اپنی صحت کا بالکل بھی خیال نہیں رکھتیں کیا ضرورت تھی وعدہ کرنے کی۔

امّی: بیٹا یہ ہماری بھی ضرورت ہے۔ کل کو یہی پیسا مشکل وقت میں کام آئے گا۔

اسجد: امّی ہمارے گزارے کے لیے ابّا کی پینشن کافی ہے۔

امّی: اللہ کا شکر ہے جس نے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچا لیا۔ تمھارے ابّو کی پینشن ہمارے لیے کسی نعمت سے کم نہیں، مگر محنت کر کے حالات کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

اسجد: امّی میں کہیں نہ کہیں چھوٹی موٹی نوکری کر لیتا ہوں۔

امّی : خبردار جوتم نے ایسی ویسی کوئی بات سوچی، میں اس قدر محنت صرف تمھاری تعلیم کے لیے کر رہی ہوں۔ پھر تمھاری چھوٹی بہن بھی ہے۔ اسے بھی پڑھانا ہے۔

اسجد: مجھے اسکالرشپ بھی ملتی ہے اور میں تعلیم جاری رکھتے ہوئے کام کروں گا۔

امّی: نہیں تمھیں بہت پڑھنا ہے تمھارے ابا کو بہت آرزو تھی۔ وہ تمھیں ڈاکٹر یا انجینئر بنانا چاہتے تھے۔ تم صرف پڑھائی پر توجہ دو۔

اسجد: امّی ڈاکٹر یا انجینئر بننا اب کوئی بچّوں کا کھیل نہیں اس کے لیے محنت کے ساتھ ساتھ ڈھیر سے روپیوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

امّی : اللہ مالک ہے۔ سب انتظام ہو جائے گا۔ یہ تمھارا بہت ہی اہم سال ہے۔ تم خوب محنت کرو۔

(دوسرا منظر)

(صبح صبح اسجد فجر کی نماز پڑھنے کے بعد گھر آ کر پڑھائی کر رہا ہے۔ اُس کی چھوٹی بہن جو جماعت ہشتم کی طالبہ ہے۔ اسجد کے لیے چائے لے کر آتی ہے)

عنیزہ: بھائی چائے لیجیے۔

اسجد: آج کیا بات ہے۔ تم چائے لے کر آئی ہو۔

عنیزہ: بھائی مجھے آپ سے بات کرنا تھی۔

اسجد: کہو نا کیا کہنا ہے۔

عنیزہ: بھائی ہماری اسکول کی پکنیک جا رہی ہے۔ امّی جانے سے منع کر رہی ہے۔

اسجد: کیوں! امّی کیوں منع کر رہی ہے۔ اس کے پہلے تو تم اسکول میں پکنیک پر جاتی تھی۔

عنیزہ: پہلے کی بات اور تھی۔ وہ کارپوریشن کا اسکول تھا وہاں زیادہ خرچ نہ تھا اور اگر امّی منع کرتی تو میں ابا سے ضد کر کے چلی جاتی۔ یہ ہائی اسکول ہے یہاں زیادہ روپے لگ رہے ہیں۔ اور آج ہی روپے جمع کرانا ہے۔

اسجد: (عنیزہ کی بات سُن کر اسجد کھڑا ہوا۔ اُس کے پاس آ کر بولا) چلو امّی کے پاس میں کہتا ہوں۔

عنیزہ: (خوشی سے) اسی لیے میں آپ کے پاس آئی تھی۔ مجھے پتہ تھا آپ امّی سے میری سفارش کریں گے۔

اسجد: امّی آپ عنیزہ کو پکنک جانے پر منع نہ کریں، میں اس کے پیسے دیتا ہوں۔

امّی: عنیزہ تم بات کو سمجھا کرو بیٹا پکنک اس قدر ضروری نہیں ہے۔ اگر کسی تعلیمی سرگرمی پر پیسے چاہیے تو میں دے دیتی، یہ تو فضول خرچی ہوگی۔

اسجد: (اسجد نے بہن کو وہاں سے جانے کا اشارا کیا) امّی وہ ابھی چھوٹی ہے۔ اس بات کو سمجھ نہیں سکتی۔ آپ کے منع کرنے پر اسے ابّا کی یاد آتی ہے۔ وہ بہت ہی حساس طبیعت ہے۔ اس بار جانے دو۔ پھر میں اسے سمجھا دوں گا۔

امّی: تمھارے لاڈ پیار کی وجہ سے وہ ضدی بن جائے گی۔

اسجد: ایسا کچھ نہیں ہوگا، آپ اسے کسی چیز کے لیے منع نہ کریں۔ میں اس کی آنکھوں میں باپ سے محرومی کا دکھ نہیں دیکھ سکتا۔

امّی: (آنکھوں میں آنسو لیے) میں اب بے فکر ہوئی۔ ورنہ اکثر مجھے عنیزہ کی فکر ہوتی، میں اکیلی عورت یہ ذمہ داری کیسے اُٹھاؤں گی۔ مگر تمھاری اس سے محبت دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔

اسجد: امّی آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں میں اُس کا بھائی اور آپ کا بیٹا ہوں۔ ابّا کے بعد آپ دونوں کی میری ذمہ داری ہے۔ یہ میرا فرض ہے۔

امّی: اپنا فرض نبھانے کے لیے تمھیں زیادہ پڑھنا ضروری ہے۔ اسی لیے میں کام کرنے سے منع کر رہی تھی۔

اسجد: ہاں میں آپ کی بات اچھے سے سمجھ گیا۔ میں خوب محنت کر کے کسی قابل بن جاؤں گا۔ پھر آپ آرام کرنا۔

امّی: عنیزہ کو میں پیسے دے دوں گی۔ تم پہلے اپنے امتحان کی فیس جمع کرنا۔

اسجد: میں نے کل ہی فیس جمع کر دی میرے پاس پیسے ہیں آپ فکر نہ کریں۔ (آواز دے کر بہن کو بلا کر پیسے دیتا ہے)

عنیزہ: شکریہ بھائی

اسجد: یہ تو میرا فرض ہے، اب میری بہن خوش ہے نا؟

عزیزہ: (خوشی سے) بہت خوش ہوں۔ میری سب سہیلیاں پکنک پر جا رہی تھیں۔

امّی: چلو اب خوشی میں ناشتہ کرنا مت بھولو۔ دونوں آجاؤ۔ میں نے روٹی بنا دی ہے۔

تیسرا منظر

(کالج کی لائبریری میں اسجد اپنے دوست ارشد کے ساتھ پڑھائی کر رہا ہے۔ امتحان سر پر ہے۔ ہر کوئی اپنی پڑھائی میں مشغول ہے۔)

ارشد: اسجد تم نے CET کی تیاری کر لی۔

اسجد: تیاری تو کر لی۔ مگر مجھے تو بہت مشکل لگ رہا ہے۔ ایڈمیشن کے لیے لاکھوں کا انتظام کرنا میرے بس کی بات نہیں۔

ارشد: تمھیں اسکالرشپ ملی ہے نا؟

اسجد: ہاں مگر وہ اس قدر نہیں کہ میں میڈیکل یا انجینئرنگ میں داخلہ لے سکوں اور پھر داخلہ کے بعد بھی کس قدر خرچ ہوتا ہے۔

ارشد: ہاں تم صحیح کہہ رہے ہو۔ اگر تمھارا میرٹ پر نمبر لگ گیا تو کچھ امید کر سکتے ہیں۔

اسجد: اسی کے لیے بہت محنت کر رہا ہوں۔ آگے اللہ مالک ہے۔

(ارشد کا فون آتا ہے وہ اُٹھ کر جاتا ہے، سر عرفان جو اُن کی باتیں سُن رہے تھے اسجد کے پاس آتے ہیں)

اسجد: السلام علیکم سر

عرفان سر: وعلیکم السلام پڑھائی ہو رہی ہے۔

اسجد: ہاں سر ایک ہی ہفتہ بچا ہے امتحان سر پر ہے۔

عرفان سر: تم بہت ہی ذہین ہو۔ اپنی محنت کے بل بوتے پر ترقی کرنے والے طلبا کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ کسی بات کی فکر نہ کرو۔ کسی قسم کی مالی پریشانی ہو تو امتحان دینے کے بعد مجھ سے ملنا۔ تمھاری مدد کر کے مجھے خوشی ہوگی۔

اسجد: آپ کی حوصلہ افزائی کا شکریہ سر، میں کوشش تو بہت کر رہا ہوں کہ میرٹ میں نمبر لگ جائے۔

عرفان سر: ضرور کوشش کرو، کوشش کرنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔

چوتھا منظر

(اسجد کا میرٹ میں نمبر آتا ہے۔ کالج میں وہ اوّل ہے سب اساتذہ اس کی لگن اور محنت کی داد دیتے ہیں۔ انجینئرنگ میں داخلہ کے لیے سر عرفان اُس کی مالی مدد کرتے ہیں۔ داخلہ ہونے پر وہ خوشی خوشی گھر آتا ہے)

امّی: اسجد میں آج بہت خوش ہوں۔ تمھارا داخلہ ہو گیا۔

اسجد: ہاں امّی میں بھی بہت خوش ہوں۔ آج ابّا کا ایک خواب پورا ہوا۔ اب آگے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے مجھے بہت محنت کرنا ہوگی۔

امّی: ہاں بیٹا ابھی تو ابتدا ہے تمھیں اچھے گریڈ سے ڈگری لے کر کامیاب ہونا ہے۔

عنیزہ: بھائی پھر آپ انجینئر بن جاؤں گے نا؟

اسجد: ہاں میری بہن بن جاؤں گا۔ مگر پہلے بہت سا پڑھنا ہے۔

امّی: اسجد تمھارے سر جنھوں نے تمھاری وقت پر مالی مدد کی ہے۔ اسے قرض سمجھنا، جو تمھیں ادا کرنا ہے۔

اسجد: ہاں امّی میں نے سر عرفان سے یہی کہہ کر لیا کہ بعد میں لوٹا دوں گا۔ میرٹ میں نمبر آ کر اور اسکالرشپ کے روپے ملا کر بھی انتظام نہیں ہو رہا تھا۔ ایسے مشکل وقت پر انھوں نے میری بہت مدد کی ہے۔ بہت بڑا احسان کیا ہے مجھ پر، نوکری لگتے ہی سب سے پہلے اُن کے روپے لوٹا دوں گا۔

امّی: ہاں بیٹا یہ بات یاد رکھنا جو وقت پر کام آئے وہی سچا رفیق ہے۔ اُس محسن کا احسان ساری عمر یاد رکھنا۔

عنیزہ: امّی بھائی کے داخلہ کی خوشی میں آپ بریانی بنانے والی تھیں نا؟

امّی: ہاں میں نے بریانی بنائی ہے۔ چلو تم پہلے صفائی کر لو، پھر کھانا کھاتے ہیں۔

اسجد: امّی اب ہر سال فیس کے لیے روپے لگیں گے دیگر اخراجات بھی ہوں گے۔

امّی: تم بے فکر ہو کر اب پڑھائی کرو میں نے اپنے سلائی کے اور تمھارے ابّا کی پینشن میں

سے بچت کر کے روپے بینک میں رکھے تھے وہی کام آئے اب آگے بھی میں بچت کر کے رکھوں گی تم بھی اپنی اسکالرشپ کے روپیوں کو سنبھال کر خرچ کرو۔

اسجد: امّی میں اپنی ضرورت پر ہی خرچ کرتا ہوں۔ اپنی کئی خواہشات کو مار کر صرف تعلیم پر ہی خرچ کرتا ہوں۔

امّی: بہتر مستقبل کے لیے آج کی قربانی ضروری ہوتی ہے۔ آج اگر تم اپنی چھوٹی چھوٹی خواہش کو مار کر اپنا کل بہتر بناؤ گے تو یہ آگے چل کر تمھاری اولاد کے لیے بھی کام آئے گا۔

اسجد: امّی آپ بہت دور کی سوچ رہی ہیں۔ میں تو سب سے پہلے آپ کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے ابّا کے بعد ساری عمر ہم دونوں پر نچھاور کر دی۔ نہ کبھی بہتر کھایا اور نہ کبھی پہنا۔ ہر وقت ہماری فکر میں الجھی رہیں۔

امّی: یہ تو میرا فرض ہے بیٹا، اولاد خوش تو ماں خوش تمھیں کھلا پلا کر ایسا لگتا ہے جیسے میں کھا رہی ہوں۔ اب یہی دعا ہے اللہ تمھیں کامیاب کریں

اسجد: آمین اللہ ضرور کامیاب کرے گا میرے ساتھ ماں کی دعائیں ہیں۔

عزیزہ: امّی صفائی ہوگئی میں نے کھانا لگا دیا آجایئے۔

منظر پانچواں

(اسجد ایک کامیاب انجینئر بن گیا ہے۔ اسے بہت اچھی کمپنی میں نوکری مل گئی۔ اپنی پہلی تنخواہ ملنے پر وہ سر عرفان سے ملنے کے لیے آتا ہے۔)

اسجد: السلام علیکم سر

عرفان سر: وعلیکم السلام کیسے ہو اسجد

اسجد: اللہ کا شکر ہے بہت اچھا ہوں۔ سر میں اچھے گریڈ سے پاس ہوا۔ مجھے ایک کمپنی میں نوکری ملی۔

عرفان سر: واہ بہت اچھی خبر سنائی تم نے، اس قدر جلد تمھیں نوکری بھی ملی۔

اسجد: یہ سب آپ کی دعاؤں کا اثر ہے

عرفان سر: دعائیں تو تمھارے ساتھ تمھاری ماں کی ہے۔جنھوں نے بہت محنت کر کے تمھیں اس قابل بنایا۔

اسجد: ماں کی دعائیں اور محنت تو ہے ہی مگر آپ نے بھی مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میری مشکل وقت میں مدد کی ہے آج خاص کر میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔

عرفان سر: بیٹے شکریہ کی کیا بات یہ میرا فرض ہے کہ میں ذہین طالب علم کی مدد کروں۔

اسجد: (ایک پیکٹ سر کی طرف بڑھاتے ہوئے) سر یہ آپ کی امانت تھی میرے پاس وہی لوٹانے آیا ہوں۔

عرفان سر: اسجد میں نے تمھیں وہ قرض سمجھ کر نہیں دیے تھے۔رکھ دو مجھے نہیں چاہیے۔

اسجد: سر آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔میں آج اس قابل ہوں کہ یہ لوٹا سکوں۔یہ تو صرف ایک رقم ہے جو میں لوٹا دوں گا مگر آپ کے خلوص اور محبت کا احسان ساری عمر بھی میں نہیں اتار سکتا۔

عرفان سر: کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا بیٹے یہ ہم سب کا وہ فرض ہے جس سے ہم اکثر غافل رہتے ہیں۔کبھی اسی طرح کسی نے بھی مجھ پر احسان کیا تھا اور تمھاری طرح جب میں لوٹانے گیا تو پتہ ہے انھوں نے کیا کہا۔

اسجد: کیا کہا سر؟

عرفان سر: میرے محسن نے کہا تھا یہ تمھارے پاس میرا قرض ہے یہ میں نہیں لوں گا۔تمھیں یہ قرض اپنے جیسے ہی کسی ذہین اور ضرورت مند طالب علم کو لوٹانا ہے۔جب میں نے اُس دن لائبریری میں تمھاری باتیں سُنی تو مجھے لگا میرے قرض لوٹانے کا وقت آ گیا۔اور میں نے تمھارا حق تمھیں دے دیا۔

اسجد: سر میں کیا کروں آپ یہ لے لو۔

عرفان سر: یہ تمھارے پاس میرا قرض ہے جب تم بھی کبھی اپنے جیسے کسی ضرورت مند ذہین طالب علم کو دیکھو کہ وہ صرف روپیوں کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم سے محروم ہے تو اس کی مدد کر کے میرا قرض لوٹا دو۔اور اگر وہ کبھی تمھارا قرض لوٹانے آئے تو اسے بھی یہ کہہ کر واپس کرو کہ وہ کسی کی مدد کریں۔ اسی طرح ہمیشہ ایک دیا امید کا جلتے رہنا چاہیے۔جس کی روشنی میں کوئی اپنا مستقبل بنا لے۔

اسجد: شکریہ سر آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ ہر انسان کو اپنا غم اور تکلیف ہی سب سے بڑی لگتی ہے وہ اپنے ہی بارے میں سوچتا ہے۔ انسان اگر دوسروں کے بارے میں بھی سوچے تو کئی لوگوں کے مسائل حل ہو جائیں۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اچھی نوکری لگ گئی میں اب اپنی والدہ اور بہن کی ذمہ داری اچھے سے ادا کر سکوں گا اور آپ کا قرض ادا کر کے میں بری ہو جاؤں گا۔ مگر یہ ذمہ داری سونپ کر آپ نے مجھے ایک نئی راہ دکھائی۔ میں اس دیے کو بجھنے نہیں دوں گا۔ تاکہ پھر کوئی اسجد کسی کی مدد سے اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنا مستقبل سنوارے۔

عرفان سر: شاباش! اسجد تم نے میرا ساتھ دے کر مجھے خوش کر دیا۔ اسی طرح ہمیشہ ایک دیا جلائے رکھنا۔ جس سے کسی کی امیدوں اور خوابوں کو روشنی ملے۔

پردہ گرتا ہے

بچوں کے ادب کی ضرورت ہر عہد میں ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اردو میں بچوں کے ادب کی نہایت باوقار تاریخ ہے۔ ہمارے نابغہ اور بلند پایہ ادیبوں نے ادب اطفال پر توجہ مبذول کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی بچوں کے ادب پر لکھنے والوں کا ایک بڑا حلقہ موجود ہے۔ طاہرہ عبدالشکور ایک ایسا ہی نام ہے جنھوں نے نہایت پابندی کے ساتھ ادب اطفال کو اپنا موضوع بنایا اور مسلسل لکھ رہی ہیں۔ اس سے قبل بچوں کے لیے انھوں نے جو کہانیاں لکھی ہیں ان کے 8 سے زاید مجموعے اشاعتی مرحلے سے گذر کر مقبول ہو چکے ہیں۔ معلّمی کے پیشے سے منسلک ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور زبان پر مکمل دسترس رکھتی ہیں اور انھیں اس امر کا شدت سے احساس ہے کہ بچوں کے لیے لکھتے وقت کس طرح کی زبان کا استعمال کیا جانا چاہیے۔ کہانی لکھنے کے فن سے واقف طاہرہ عبدالشکور نے اپنی کہانیوں کو دلچسپ بنانے کی بھی نہایت کامیاب کوشش کی ہے اور کہیں بھی اس احساس کو حاوی نہیں ہونے دیا ہے کہ بچوں کو نصیحت کا کیپسول کھلایا جا رہا ہے۔ اس اسلوب کا استعمال آج کے جدید دور کے بچوں کے لیے نہایت ضروری ہے تاکہ وہ تفریح تفریح میں گر کی باتیں بھی سیکھ جائیں۔

قومی اردو کونسل ادب اطفال کو ہمہ جہت بنانے اور اسے زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کی اپنی مہم کے تحت ہی ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور کی دس کہانیوں اور چار ڈراموں کے اس مجموعے ''گلدستہ'' کو شائع کر رہی ہے اور ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب بابِ ادب اطفال میں ایک اہم اضافہ ثابت ہوگی۔

ISBN: 978-93-5160-082-4
NCPUL New Delhi
₹ 28/-

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025